اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول
(مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر
ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۳ | رجب ۱۴۴۳ھ | فروری ۲۰۲۲ء | شمارہ ۲

نقد اللبیب فی عقد الحبیب

ابطال رسوم (قسط اوّل)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے
زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

نقد اللبیب فی عقد الحبیب

(ابطال رسوم) قسط اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے یہ وعظ ۷ جمادی الاوّل ۱۳۴۱ھ بمطابق ۲۶ دسمبر ۱۹۲۲ء کو اب سے سو سال قبل حبیب الرحمن صاحب کے نکاح کے موقع پر ارشاد فرمایا کوٹہ پولیس لائن میں دو گھنٹہ ۱۵ منٹ کھڑے ہوکر بیان کیا جس میں ڈیڑھ سو کے قریب افراد شریک تھے مرزا منور بیگ شارٹ نویس کوٹہ پولیس مع خواجہ صاحب وحکیم صاحب نے ضبط کیا نکاح کی تقریب کی مناسبت سے اس موقع پر کی جانے والی رسوم کا ابطال کیا اور بتایا کہ شریعت میں ہر چیز کا قانون وضابطہ ہے اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے خواہ موقع خوشی کا ہو یا غم کا یا اور کوئی جدید شبہات کے جوابات بھی دیئے گئے۔

اللہ تعالیٰ قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ: یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

۲۹/ جمادی الثانی ۱۴۴۳ھ

۱۴ دسمبر ۲۰۲۱ء

نقد اللبیب فی عقد الحبیب

(ابطال رسوم) قسط اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱..........	تمہید..............................	۷
۲..........	مہمل کی تفسیر..............................	۷
۳..........	منکرین نبوت..............................	۸
۴..........	منکرین آخرت..............................	۹
۵..........	’’یحسب‘‘ کے معنی..............................	۱۰
۶..........	کفر کے درجات..............................	۱۱
۷..........	اہمال کا دوسرا درجہ..............................	۱۲
۸..........	مسلمانوں کی حالت..............................	۱۳
۹..........	ضرر کی اقسام..............................	۱۳
۱۰..........	مسلمان اور کافر کی آزادی میں فرق..............................	۱۴
۱۱..........	آج کل کے مصلحینِ قوم کا حال..............................	۱۵
۱۲..........	جاہلانہ خیال..............................	۱۶
۱۳..........	مصلحینِ قوم کا اعتراض..............................	۱۶
۱۴..........	آج کل کے مفسرین شریعت کا علماء پر اعتراض..........	۱۷
۱۵..........	اعتراض کا جواب..............................	۱۸
۱۶..........	دو قسم کے لوگ..............................	۱۹
۱۷..........	حق تعالیٰ کی مالکیت اور حاکم کی مالکیت میں فرق..........	۱۹
۱۸..........	تصرف کی اقسام..............................	۲۱
۱۹..........	رسوم کے بارے میں لوگوں کا خیال..............................	۲۲
۲۰..........	بعض قدیم رسومات..............................	۲۳
۲۱..........	بے ہودہ خیالات..............................	۲۴

۲۲..........	رسوم شرکیہ میں کمی کی وجہ..........................	۲۵
۲۳..........	عقل تابع شریعت ہے..........................	۲۶
۲۴..........	رسوم تفاخر..........................	۲۸
۲۵..........	پہنا دینا..........................	۲۹
۲۶..........	ضرورت شعری..........................	۳۰
۲۷..........	گناہ کی اقسام..........................	۳۰
۲۸..........	رسوم شادی میں تفاخر کا گناہ..........................	۳۱
۲۹..........	اسراف کی برائی..........................	۳۳
۳۰..........	قاعدہ کلیہ..........................	۳۳
۳۱..........	تفاخر کی صورتیں..........................	۳۴
۳۲..........	بنئیے کی حکایت..........................	۳۵
۳۳..........	بڑی بی کا حال..........................	۳۶
۳۴..........	گناہ کی حقیقت..........................	۳۷
۳۵..........	دل کے گناہ..........................	۳۸
۳۶..........	ترک رسوم کا اہتمام..........................	۳۹
۳۷..........	حدود و قیود..........................	۴۱
۳۸..........	اہتمام جماعت..........................	۴۲
۳۹..........	کفار ایمان لانے کے مکلف ہیں..........................	۴۲
۴۰..........	مصلحت اور مفسدہ کے اجتماع کا حکم..........................	۴۳
۴۱..........	قرآن سے ثبوت..........................	۴۴
۴۲..........	اشکال..........................	۴۵
۴۳..........	جواب..........................	۴۶
۴۴..........	جمعہ کی فجر میں الم تنزیل پر مداومت کی ممانعت کی وجہ......	۴۶
۴۵..........	عملی خرابی کا مشاہدہ..........................	۴۷
۴۶..........	اخبار الجامعہ..........................	۴۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارك وسلم **امابعد!**

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَيَحْسَبُ ٱلْإِنسَٰنُ أَن يُتْرَكَ سُدًى (۱)

تمہید

یہ ایک آیت ہے سورہ قیمہ کی، اس میں حق سبحانہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہ نے نادانوں کے ایک خیال پر انکار فرمایا ہے یعنی اس خیال کو رد کیا ہے خواہ وہ خیال درجہ اعتقاد میں ہو یا وہ خیال درجہ عمل میں ہو، اس تعیم کی دلیل یحسب کا لفظ ہے چنانچہ عنقریب معلوم ہو جاوے گا۔ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ کیا گمان کرتا ہے انسان جس کو دوسرے لفظوں سے یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ کیا خیال کر سکتا ہے انسان کہ چھوڑ دیا جاوے مہمل۔

مہمل کی تفسیر

مہمل کی تفسیر سمجھنا چاہئے اور اس کے بعد جو ضرورت ہوئی ہے اس کے بیان کرنے کی وہ سمجھنی چاہئے۔ مہمل کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں دو احتمال ہیں یا تو مہمل باعتبار اعمال کے کہا گیا ہے یعنی تکلیف بالاعمال (۲) کے، یا مہمل باعتبار جزا کے کہا گیا کیا معنی

(۱) سورۃ القیامۃ: ۳۶ (۲) اعمال کا پابند نہ کیا جائے۔

کہ دو درجے ہیں اہمال کے۔ایک درجہ تو یہ ہے کہ کسی شخص کو مکلف نہ بنایا جائے اور اس کو مطلق العنان [1] چھوڑ دیا جاوے اور کوئی حکم اور کوئی قانون اس کے متعلق نہ ہو جس کو آزادی کہتے ہیں آجکل، یعنی آزاد کر دیا جاوے جیسے کوئی جانور ہوا کرتا ہے آزاد اور کوئی قید اور کوئی قاعدہ اور ضابطہ اس کے لیے نہیں ہے جہاں چاہتا ہے پھرتا ہے اور جہاں چاہتا ہے منہ مارتا ہے اور کوئی روک ٹوک اس کو نہیں ہے نہ وہ رات کو گھر لایا جاتا ہے نہ وہ کسی وقت باندھا جاتا ہے یعنی کسی عمل کا مکلف نہیں کیا جاتا اور نہ کسی ضابطہ میں پابند اس کو کیا جاتا ہے۔ یہ تو اہمال ہے باعتبار تکلیف بالعمل کے۔اور ایک اہمال ہے باعتبار جزا کے اس کے لیے کوئی جزا سزا نہیں بلکہ اس کو بالکل آزاد اور مطلق العنان رکھا گیا ہے سزا اور جزا [2] سے یعنی جو کچھ بھی کرے اس کا کوئی اثر نہیں جزا اور سزا کے اعتبار سے یعنی خواہ وہ نیک کام کرے یا خواہ بُرا کام کرے نہ اس کو جزا ہے نہ سزا ہے اور اس کی کوئی پوچھ نہیں ہے۔ایک درجہ اہمال کا یہ ہے۔ سُدًی کے لفظ میں دونوں احتمال ہیں اور قرآن مجید سے تائید ہوتی ہے دونوں احتمالوں کی اس واسطے کہ یہ ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید کے اندر فرضیات سے گفتگو نہیں کی گئی بلکہ واقعات سے اور معاملات واقعیہ سے بحث کی گئی ہے۔اس واسطے ضرورت اس کی ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کو دیکھا جاوے اور اس میں غور کیا جاوے کہ آیا دونوں معنی اہمال کے لوگوں کے ذہن میں تھے یا نہیں اس کو قرآن مجید کی آیتوں میں تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے دونوں خیال تھے۔

منکرین نبوت

چنانچہ قرآن مجید کے اندر مذمت کی گئی ہے ایک خاص جماعت کی ان لفظوں سے وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ [3] شکایت فرمائی ہے بعض فرقوں کی کہ انہوں نے حق تعالیٰ کی کوئی عظمت نہیں کی اور کوئی قدر نہیں کی

(۱) بالکل آزاد (۲) یعنی جزاء سزا سے آزاد ہے (۳) سورۃ الانعام: ۹۱۔

جبکہ یوں کہا کہ کسی بشر پر حق تعالیٰ نے کوئی شے نازل نہیں فرمائی۔ اس خیال اور اس اعتقاد کے لوگ تھے کہ نبوت کوئی چیز نہیں اور شریعت کوئی چیز نہیں چنانچہ ان کے قول میں تصریح ہے مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَىْءٍ حق تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی شے نازل نہیں فرمائی بشر نکرہ اور شئی بھی نکرہ ہے اور دونوں واقع ہیں تحت میں نفی کے اور یہ قاعدہ ہے عربیت کا کہ جب نکرہ تحت میں ہوتا ہے نفی کے تو مفید ہوتا ہے عموم کو یعنی اس عموم کا حاصل یہ ہوا کہ کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی گئی بشر میں بھی تعمیم ہے اور شئی میں بھی تعمیم ہے۔ من بشر کے اندر تمام بشر آ گئے وہ حضرات بھی آ گئے جو واقع میں نبی ہیں ان کی نبوت کا بھی وہ لوگ انکار کرتے تھے اور ''شئی'' کے اندر تمام احکام آ گئے یعنی کسی قسم کا کوئی حکم کوئی قانون کسی شخص پر بھی نازل نہیں ہوا اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ گویا انکار اور ایک عام انکار ہے نہ کسی ضابطہ کے ساتھ مخصوص نہ کسی بشر کے ساتھ مخصوص ان لوگوں کا خیال تھا کہ نبوت کوئی چیز نہیں ہے۔ اس آیت سے تو پتہ لگتا ہے کہ اس عقیدہ کے لوگ بھی تھے۔

منکرین آخرت

اور دوسرے معنی جو ہیں اہمال کے اس کا پتہ لگتا ہے بہت سی آیتوں سے یہ آیت مذکورہ تو سوچنے ہی سے ذہن میں آئی تھی اور دوسرے معنی کے اعتبار سے جو اہمال ہے وہ تو کثرت سے منقول ہے کفار اور منکرین کے مقالات ہیں جس کا حاصل ہے بعث ونشر کا انکار (۱) بہت کثرت سے آیتیں ہیں اس مضمون کی۔ یعنی کوئی چیز نہیں قیامت، کوئی چیز نہیں حساب کتاب وہ کہتے تھے إِنْ هِىَ إِلَّا حَيَاتُنَا ٱلدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا (۲)۔ یہ فقط ہماری حیات دنیویہ ہے اور بس یوں ہی مرتے پیدا ہوتے چلے آئے ہیں یوں ہی سلسلہ جاری ہے کوئی مرا کوئی پیدا ہوا یعنی جیسے گھاس پھونس برسات میں اُگتی ہے اور بڑھتی ہے اسی طرح سلسلہ جاری ہے۔ باقی معاد اور قیامت کوئی چیز نہیں ہے۔ وَإِذَا قِيلَ إِنَّ

(۱) مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کا انکار (۲) سورۃ المومنون: ۳۷

وَعۡدَ ٱللَّهِ حَقّٞ وَٱلسَّاعَةُ لَا رَيۡبَ فِيهَا قُلۡتُم مَّا نَدۡرِي مَا ٱلسَّاعَةُ إِن نَّظُنُّ إِلَّا ظَنّٗا وَمَا نَحۡنُ بِمُسۡتَيۡقِنِينَ (۱) اسی طرح کثرت سے آیتیں ہیں جن کا مدلول یہ ہے کہ بعث وجزا کے منکر تھے۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ قیامت اور حساب کوئی چیز نہیں ہے۔ اس اہمال کے بھی قائل تھے تو قرآن مجید سے پتہ لگ گیا کہ دونوں اہمال کا اعتقاد تھا منکرین کو۔ حق تعالیٰ نے جب انکار فرمایا اس پر اور رد فرمایا اس اہمال کے اعتقاد کو اور اہمال کے دونوں اعتقاد قرآن مجید سے ثابت ہیں اور دونوں میں منافات کی وجہ نہیں ہے جو جمع نہ کیا جاسکے رد کے اندر دونوں کو۔ لہٰذا اسی کے قائل ہو سکتے ہیں اور اس کی تفسیر کو عام کہہ سکتے ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کیا انسان کا یہ خیال ہے کہ اس کو اعمال کا مکلف نہیں کیا گیا اور یہ خیال ہے کہ اس کے لیے سزا و جزا کچھ نہیں ہے تو گویا دونوں پر رد ہے اعمال کے مکلف نہ کرنے کے خیال پر بھی اور سزا و جزا کے انکار پر بھی۔ یہ ہے حاصل آیت کا حاصل تو معلوم ہو گیا۔

''یحسب'' کے معنی

اب ''یحسب'' کے لفظ پر غور کرنا چاہئے۔ ''یحسب'' کا لفظ بمعنی پنداشتن ہے (۲) جس کا مفہوم بہت عام ہے درجۂ اعتقاد کو بھی اور درجۂ اعتقاد سے گھٹا ہوا درجہ ہے خیال کا، اس کو بھی دونوں کو عام ہے۔ یہ ایک احکام لغات میں سے ہے جس کو عربیت کے ماہرین جانتے ہیں۔ اور یہ لفظ عام ہے۔ اسکی تعمیم کے بعد ''یحسب'' کا حاصل یہ ہوا کہ اس اعتقاد پر بھی انکار ہے جس کا کفار کو اعتقاد تھا۔ اور وہ اعتقاد جازم تھا نیز اگر اعتقاد کے درجہ سے گھٹا ہوا ہو تو خیال پر بھی انکار ہے۔ ہر چند کہ قرآن مجید میں اصل مقصود ان ہی فرقوں پر انکار ہے جو منکر تھے مگر حق تعالیٰ نے یہ کلام مقدس نازل کیا ہے جمیع امراض کے لیے اس لیے اس میں ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ ہر مرض کا علاج ہو سکے درجہ اعتقاد تک کی نفی تو ہے ہی قابل انکار لیکن اس سے جو کم درجہ

(۱) سورۃ الجاثیہ: ۳۲ (۲) گمان کرنا۔

ہے خیال کا وہ بھی قابل انکار ہے اور اس کم درجہ میں وہ درجہ بھی آ گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اعتقاد تو نہیں ہے مگر عمل سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ عمل ایسا ہے جیسے کہ اعتقادِ انکار والوں کا عمل ہوا کرتا ہے۔

کفر کے درجات

اور اس محاورہ کو نصوص کے اندر بہت استعمال کیا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تارک صلوٰۃ کے لیے ''فقد کفر'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے ''من ترك الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر''(۱) حالانکہ اہل حق کا مذہب قرآن مجید کی دلیل سے یہ ہے کہ کبائر کے ارتکاب سے کافر نہیں ہوتا اور نماز کا چھوڑنا جبکہ اس کی فرضیت کا اعتقاد ہو موجبِ کفر نہیں ہے۔ مگر پھر بھی کفر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کی تاویل میں علماء نے غور اور فکر کیا ہے۔ اور دلائل سے ماؤل (۲) ہونا ثابت کیا ہے۔ اس کی تفصیل کی حاجت نہیں ہے اس وقت مگر صرف اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ کفر کا لفظ استعمال کرنے سے معلوم ہوا کہ کفر کے درجات مختلف ہیں۔ ایک کفر عملی ایک کفر اعتقادی۔ کفر عملی کا حاصل یہ ہے کہ اعتقاد تو مؤمنین کا سا ہے مگر اعمال کافروں کے سے ہیں۔ تو ''فقد کفر'' کے معنی یہ ہوں گے کہ ''فقد کفر عملا''۔ اس کی ایسی مثال ہے ہمارے محاورات میں جیسے کہ کوئی شخص عتاب میں زجر و توبیخ میں اپنے کسی عزیز محکوم بیٹے کو یہ کہے کہ تم تو بالکل چمار (۳) ہو گئے ظاہر ہے کہ شرافت اس کی زائل نہ ہوگی۔ نسب اسکا بدل نہیں گیا۔ یعنی یہ کہ وہ ایک قوم سے نکل کر دوسری قوم میں داخل نہیں ہو گیا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ کام تم ایسے رذیلوں کے کرتے ہو جیسے چمار کیا کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ محاورات کے اندر توسع ہے مجاز بھی ہے حقیقت بھی ہے تو اس مجاز کا حاصل یہ ہوا کہ تشبیہ دی جاتی ہے ایک شخص کو کسی خاص حالت وصفت والے کے ساتھ کسی خاص وجہ سے۔ تو ''فقد کفر'' کے بھی معنی یہ ہوئے کہ ''فقد کفر عملا'' یعنی کام کیا کافروں کا سا۔ یعنی نماز کو فرض سمجھ کہ نہ پڑھنا یہ مومن کی شان سے بعید ہے۔ نماز نہ پڑھنا کام ہے کافروں کا، کافر ہی نماز نہیں

(۱) جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا (۲) دلائل سے ثابت ہے کہ اس میں تاویل کی جائے گی (۳) موچی۔

پڑھتے۔ کیونکہ وہ منکر ہیں۔ جو نماز نہ پڑھے وہ مومن تو ہے بوجہ اعتقاداً فرض سمجھنے کے مگر بھائی کام تو بہت ہی بیہودہ کیا۔ تو جب ''کفرَ'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے دوسرے درجہ کے لیے بھی ''یحسب'' کا استعمال بھی اس درجہ میں ہو تو کچھ بُعد نہیں ہے۔

اہمال کا دوسرا درجہ

دوسرا درجہ کیا نکلا۔ یہ نکلا کہ اعتقاد تو نہیں ہے اہمال کا۔ یعنی اعتقاد میں تو نہیں سمجھتا کہ انسان مہمل ہے یعنی مکلف نہیں ہے اعمال کا یہ کہ سزا جزا نہ ہوگی۔ اعتقاد تو یہ ہے کہ جب کوئی پوچھتا ہے کیوں صاحب خدا اور رسول کا حق ہے تمہارے اوپر۔ ہاں صاحب ہے۔ کیوں صاحب جیسا کروگے ویسی جزا ملے گی۔ کیوں صاحب کیوں نہیں ملے گی ایک ایک ذرہ کا حساب ہوگا۔ پوچھنے پر تو یہ کہہ دیتا ہے کہ اعتقاد ضرور ہے لیکن برتاؤ ایسا ہے جیسے اس شخص کا ہو جو معتقد ہے اس کے انکار کا یعنی جزا وسزا کے انکار کا۔ یا تشریع کے انکار کا کیونکہ اگر کوئی معتقد ہوتا انکار کا تو اس کا عمل کیا ہوتا۔ عمل بھی ہوتا کہ وہ شتر بے مہار کی طرح مطلق العنان ہوتا(۱) کیونکہ جب اعتقاد ہی نہیں سزا جزا کا تو اس کے پابند ہونے کی ضرورت ہی کیا تو اس کا جو طرز ہے وہی اس شخص نے اختیار کیا۔ ایک درجہ یہ بھی ہے حِسبان کا۔ وہ پہلا درجہ مخصوص کفار کے ساتھ ہے۔ دوسرا درجہ بہت سے ایمان والوں میں بھی پایا جاتا ہے یعنی ظاہر ہے کہ بہت سے اہل ایمان کے اعمال وہی ہیں جو منکرین میں پائے جاتے ہیں یعنی اعتقاد تو درست ہے لیکن عمل وہی ہیں جو منکرین کے ہیں۔ کچھ فکر اور پروا نہیں ہے کہ ہم لوگ کیا کررہے ہیں۔ جو کچھ جی میں آیا کرلیا۔ جس کو اتباع ہویٰ کہنا چاہئے جو خواہش ہوئی کر بیٹھے نہ یہ سوچ ہے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز نہ یہ خوف ہے کہ سزا جزا ہوگی یا نہیں اگر کسی نے ٹوکا بھی تو گو بعض لوگ تمسخر سے یہ بھی کرڈالتے ہیں۔

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

کیا مہمل بات ہے۔ خدا تو جانتا ہی ہے عاقبت کی خبر جب خدا نے بتلادیا۔ تو خدا کے

(۱) جس آدمی کا یہ نظریہ ہو کہ نہ سوال جواب ہوگا نہ جنت دوزخ ہے اسی کا عمل ایسا ہوگا کہ شتر بے مہار کی طرح سب کام کرے گا۔ جس کا اعتقاد ہو حساب کتاب کا وہ ایسا عمل نہیں کرسکتا۔ لہٰذا اس کا عمل اس کے نظریہ کے خلاف ہے۔

بتانے سے تم بھی تو جان گئے۔ یہ کیا معنی۔ یہ شاعروں کی آزادیاں ہیں گو یہ ضرور ہے کہ محض زبانی ہے۔ گو اعتقاد نہ ہو مگر یہ ضرور ہے کہ یہ بیباکی کی دلیل ہے اس قدر آزاد کلمات اسی شخص کی زبان سے نکل سکتے ہیں جس کو خوف نہ ہو یا جس کے قلب میں عظمت نہ ہو۔ یہ خطرناک حالت ہے۔ اس کی سرحد کفر سے ملی ہوئی ہے۔

مسلمانوں کی حالت

مگر جو لوگ بیباک نہیں ہیں وہ یہ تو نہیں کہتے جن سے بے پروائی معلوم ہوتی ہو۔ وہ شرمندہ ہوتے ہیں اور اکثر مسلمانوں کی حالت یہی ہے کہ کہتے ہیں کہ ہاں بھائی گنہگار ہیں مبتلا ہیں بہت سی مجبوریاں ہیں کیا علاج کیا جائے۔ اللہ سے دعا کرو۔ خدا ہماری حالت پر رحم کرے۔ اور ہمیں اس بلا سے نجات دے۔ یہ کہنے لگتے ہیں اکثر لوگ، جو اور ذرا لکھے پڑھے ہیں انہوں نے کتابیں دیکھی ہیں اردو ہی کی سہی اب تو اردو کی کتابیں دیکھ کر بھی اپنے کو صاحب فضیلت سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بیشک گنہگار ہیں مگر اللہ تعالیٰ رحیم ہیں کریم ہیں اور غفور بھی تو ہیں۔ ان کی رحمت کے سامنے ہمارے گناہ کیا چیز ہیں کیوں صاحب کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ تم کو آزاد کر دیا گیا ہے یہ تو اس آیت کے خلاف ہے یا یہ معنی ہیں کہ ان کی رحمت کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ مضر نہیں۔

ضرر کی اقسام

اگر یہ معنی ہیں تو خوب سمجھ لیجیے کہ ضرر کی دو قسمیں ہیں ضرر دنیوی (۱) اور ضرر اخروی (۲)۔ ضرر دنیوی یہ ہے کہ کوئی چیز کھا کر بیمار پڑ جاؤ یا سنکھیا کھا کر مر جاؤ۔ یہ تو دنیوی ضرر ہے، ضرر اخروی یہ ہے کہ مرنے کے بعد سزا جزا ہو عقوبت ہو، یہ دو ضرر ہوئے ایک مقدمہ یہ ہوا، دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ دنیوی ضرر اخف (۳) ہے اور ہلکا ہے اخروی سزا سے۔ دو مقدمے، تیسرا مقدمہ یہ کہ ہر موثر چیز جو کسی اثر کی زائل کرنے والی ہو ظاہر بات ہے کہ وہ خفیف اثر کو جلدی زائل کرے گی۔ بنسبت شدید اثر کے مثلاً آگ جلانے

(۱) دنیوی نقصان (۲) اخروی نقصان (۳) ہلکا۔

والی ہے۔ اور موثر ہے افناء اجسام (۱) میں یعنی جسموں کو فنا کر دیتی ہیں تو جو جسم خفیف ہوگا جیسا کپڑا اور روئی اس کو جلد اڑا دیگی بہ نسبت پتھر اور لکڑ کے۔ جب تینوں مقدمے ثابت ہو گئے اور یہ اعتقاد ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ضرر اخروی کو رحمت حق تعالیٰ کی زائل کر دیگی اور حق تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ تو دنیوی ضرر (۲) تو اس سے اخف (۳) ہے اس کو تو بدرجہ اولیٰ زائل کردے گی میرا اس سے مطلب یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کا غفور رحیم ہونا مسلم ہے پھر اگر ایک شخص سنکھیا کھالے اور اس کو ضرر بھی پہنچ جاوے تو سنکھیا نے کیوں اثر کیا کیا وجہ ہے اس کی۔ کیا جبکہ سنکھیا ضرر کرتا ہے اس وقت خدائے تعالیٰ رحیم ہیں یا نہیں۔ یہ اعتقاد تو کفر ہے کہ رحیم نہ رہے پھر کیا وجہ ہے اس سے ضرر کیوں کیا سنکھیا نے آپ کچھ جواب دیں گے یہی جواب دیں گے کہ رحیم تو ان کی شان ہے مگر جب تک اس کی ظہور کا ارادہ نہیں ہوگا تب تک ظہور رحمت کا فعلیت کے درجہ میں نہیں آتا اور یہ کبھی ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا چونکہ اس وقت رحمت کو متعلق کرنا نہیں چاہا اس واسطے سنکھیا کا اثر ہو گیا سو بعینہ یہی حالت ضرر اخروی (۴) اور عقوبت نار (۵) کے بارے میں بھی ہے اس میں کیسے بیباکی اور جرأت پیدا ہو گئی کہ وہ غفور رحیم ہیں کچھ ضرر نہ ہوگا اور کچھ اثر نہ ہوگا آخرت میں۔ بہر حال یہ وہ لوگ ہیں کہ جنکا اعتقاد صحیح ہے مگر معاملہ اور برتاؤ ان لوگوں کا سا ہے جن کا اعتقاد باطل ہے۔ مسلمانوں میں کثرت سے اس قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں کہ جو اعتقاداً تو انسان کو آزاد نہیں سمجھتے مگر عملاً آزاد سمجھتے ہیں۔

مسلمان اور کافر کی آزادی میں فرق

اور زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ کہیں کہیں اعتقاداً بھی آزاد سمجھتے ہیں مگر اس آزادی میں اور کفار جس آزادی کے معتقد تھے اس میں قدرے فرق ہے۔ ان لوگوں کا تو یہ خیال تھا کہ حق تعالیٰ نے مکلف (۶) ہی نہیں بنایا انکا یہ اعتقاد تو نہیں ہے مگر ہاں بعضوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ نے زیادہ امور میں تنگی نہیں فرمائی اور حرمت (۷) اور

(۱) جسم کو فنا کرنے میں (۲) نقصان (۳) ہلکا (۴) آخرت کا نقصان (۵) آگ کی سزا (۶) احکام کا پابند ہی نہیں بنایا (۷) حرام وحلال ہونے کا تعلق اس کے ساتھ نہیں۔

حلت کا قانون اس کے متعلق نہیں کیا۔ دوسرے لفظوں سے اس کی تعبیر یہ ہے کہ شریعت نے اس میں دخل نہیں دیا چنانچہ اب لوگوں کی زبان پر یہ بات آئی ہے کہ مولوی لوگ ہر بات میں تنگی کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا کے کام میں ہم کو اختیار دیا گیا ہے کہ جو چاہیں کرلیں چنانچہ میں نے ایسی تحریریں دیکھی ہیں ایک تو زبانی گفتگو ہوتی ہے عوام کو وہ زیادہ مضر نہیں ہوتی نہ وہ باقی رہتی ہے وہ چونکہ الفاظ ہوتے ہیں جن کی حقیقت ہے صوت خاص، اورصوت کی حقیقت ہے ہوا، تو الفاظ کی حقیقت ایک ہوا ہوئی کیونکہ قسم کی حقیقت مقسم ہوتی ہے ہوا ایک ایسی چیز ہے کہ اڑ جاتی ہے اس کو بقا نہیں بات تمام ہوگئ منقطع ہوگئی (۱) بخلاف کتابت کے یہ گویا محفوظ چیز ہے۔ تو بہت لوگ اس کو تقریر سے گزر کر تحریر میں بھی لے آئے ہیں چنانچہ میری نظر سے ایسی تحریریں گزری ہیں اور یہ تحریریں ان لوگوں کی تحریریں ہیں جو اپنے کو محقق سمجھتے ہیں اور مصلح قوم سمجھتے ہیں اور بیڑا اٹھایا ہے قوم کے اصلاح کا۔

آج کل کے مصلحین قوم کا حال

مسلمانوں کی اصلاح کا مگر ایسے مصلح مشابہ اس شخص کے ہیں جس کی حقیقت ایک بوجھ بجکڑ کی سی ہے۔ کسی گاؤں میں ایک دانشمند رہتا تھا جو بہت عقلمند سمجھا جاتا تھا اتفاق سے اس گاؤں میں ایک شخص سے یہ غلطی ہوئی کہ تاڑ کے یا کھجور کے درخت پر چڑھ گیا اب جو زمین نظر آئی تو خوف زدہ ہوا اترتے ہیں تو اترا نہیں جاتا خوف کے مارے چلانے لگے گاؤں کے لوگ جمع ہوگئے سوچ بچار کرنے لگے کہ کس طرح اتاریں کوئی تدبیر ہی سمجھ میں نہیں آتی وہی بوجھ بجکڑ یاد آئے، انہیں بلایا گیا اوپر دیکھا نیچے دیکھا خوب غور کرکے فرمایا کہ رسّا لاؤ رسّا لائے حلقہ سا بنا کر گرہ لگاؤ، گرہ لگائی گئی۔ اس نے کہا کہ اس کو کوئی قوی شخص اوپر پھینکے، کسی نہ کسی طرح سے اوپر پھینکا گیا ان کے پاس پہونچا کر حکم دیا یہ حلقہ کمر میں باندھ لو، پھر گاؤں والوں کو حکم دیا کہ جھٹکا دو کھینچو انہوں نے کھینچا نیچے آپڑے مر مرا گئے پھر گاؤں والوں نے کہا یہ کیا حماقت کی بولا قسمت۔ میں

نے تو بہت سے آدمیوں کو اسی ترکیب سے کنویں سے نکالا اب میں قسمت کو کیا کروں۔ تو جیسے وہ بزرگ تھے ایسے ہی اس وقت مصلح قوم پیدا ہوگئے ہیں آپ نے درخت کو کنویں پر قیاس کیا جیسے کنویں کے اندر کا آدمی اس میں سے رسّا کھینچنے سے نکلتا ہے ایسے ہی درخت پر سے بھی اُتر آئیگا۔ یہ اس شخص نے قیاس فاسد کیا تھا تو جیسے اس نے قیاس کیا تھا یہی حالت مدعیان اصلاح قوم کی ہے جبکہ ان کو علم دین حاصل نہ ہو محض رائے کی بنا پر اصلاح کرتے ہوں یہی حالت ان کے قیاس فاسد کی ہے ایک حکم کو دیکھ کر اور ایک قانون کو دیکھ کر دوسری جزئی کو اس کی نظیر سمجھ کر اس پر قیاس کر کے وہاں بھی حکم چلا دیتے ہیں۔

جاہلانہ خیال

اور یہ وہ خیال ہے جو جاہلیت کا خیال ہے کافر کہتے تھے **إِنَّمَا ٱلْبَيْعُ مِثْلُ ٱلرِّبَوٰا** (۱) حق تعالیٰ نے جب ربوا کو حرام کیا تو شبہ کیا کہ بیع تو جائز ہے اس میں بھی زیادت ہوتی ہے اور نفع ہوتا ہے اسمیں بھی زیادت ہوتی ہے اور نفع ہوتا ہے تو دونوں میں نفع ہے اس میں فرق ہی کیا ہے یہ ایسی مثال ہے کہ ماں بھی عورت ہے بی بی بھی عورت ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک حلال ہے اور ایک حرام ہے۔ کتا بھی جانور ہے بکری بھی جانور ہے سمجھ میں نہیں آتا ایک حلال ہے ایک حرام، واقع میں تو فرق ہے مگر ہر شخص کو اس فرق کا نہ سمجھنا ضروری نہ سمجھانا ضرور ہے بلکہ ناممکن، تو یہ حالت ہو رہی ہے مصلحان قوم کی۔

مصلحین قوم کا اعتراض

تو ان مصلحان قوم میں سے ایک کی تحریر دیکھی ہے جس نے کہا ہے کہ ان مولویوں نے شریعت کو تنگ کر ڈالا ہر چیز کو شریعت میں ٹھونس دیا اور یہاں تک حکم لگا دیا کہ فلاں جگہ کے بال رکھنا جائز اور فلاں جگہ کے ناجائز بھلا شریعت سے بالوں کو کیا تعلق۔ اور صاحب یوں نہ بیٹھے یوں نہ لیٹے یوں کھاؤ یوں نہ کھاؤ۔ یوں استنجا کرو،

(۱) خرید وفروخت بھی سود کی طرح (قابل نفع) ہے۔

یوں پیشاب کرو مصیبت میں ڈال دیا مسلمانوں کو، شریعت کو اس سے کیا بحث۔ ان لوگوں نے شریعت کو منحصر سمجھا ہے چند احکام میں نماز پڑھ لو روزہ رکھ لو حج کر لو زکوۃ دے لو بس ہو چکا اس سے کیا بحث شریعت کو، کہ ریل میں جاؤ تو پندرہ سیر سے زیادہ اسباب(۱) نہ لے جاؤ ورنہ حقوق کا مواخذہ ہوگا یہ کوئی بات ہے اگر لے گئے کیا ریل گھس گئی ریل کا کچھ بگڑ گیا۔ مجھے ایک سرحدی کی حکایت یاد آئی ریل میں سفر کر رہے تھے دو من کا بورہ کشمش کا بغل میں لے اُترے۔ ماشاء اللہ بابو آیا ٹکٹ مانگا ٹکٹ دیا کہا اس کی بلٹی۔ کہا بلٹی کیا وہ بولا اس بورہ کا ٹکٹ، کہتے ہیں اس کا ٹکٹ بھی یہی ہے کہا یہ اس کا ٹکٹ نہیں ہوسکتا یہ پندرہ سیر سے زیادہ ہے آپنے قانون میں اجتہاد کیا کہنے لگا پندرہ سیر اس شخص کے لیے ہے جو پندرہ سیر سے زیادہ نہ اٹھا سکے ہم دو من اٹھا سکتے ہیں ہمارا یہی پندرہ سیر ہے۔ آپ نے قانون کی بھی تفسیر کی۔

آج کل کے مفسرین شریعت کا علماء پر اعتراض

ایسے ہی مفسرین شریعت کے پیدا ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ اس حکم کا یہ حاصل ہے مولوی لوگ سمجھے نہیں۔ چنانچہ ربا کے مسئلہ میں رسالے موجود ہیں، خواہش نفس سے مسئلے بدل کر علماء پر الزام لگائے ہیں۔ یہ غنیمت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ تک نہیں پہونچے یہ بھی غنیمت ہے کہتے ہیں کہ حضور نے تو خاص وقت کے مناسب احکام بتلائے تھے مولویوں نے ان کو عام کر لیا یا حضور اقدس ﷺ نے بعض حکم دیا ہی نہیں مولویوں نے ایجاد کر لیا چنانچہ ایک برسٹر الہ آباد میں ہیں وہ مولانا محمد حسین صاحب سے کہتے تھے مولوی صاحب اب تو مسلمانوں کو بہت تنزل ہے اگر علماء سود کی اجازت دیدیں تو بہت اچھا ہے۔ کہا قرآن مجید میں اس کی حرمت منصوص ہے(۲) کس کی مجال ہے اس کو حلال کرے توبہ کرو توبہ کرو آپ کہتے ہیں کیا قرآن مجید میں اس کی حرمت آئی ہے۔ کہا ہاں تو آہستہ آہستہ رخسارہ پر طمانچے مارے مولانا یہ معلوم

(۱) سامان (۲) قرآن کریم میں اس کو حرام قرار دیا ہے۔

نہ تھا۔ اگر یہ ہے تو سر آنکھوں پر، میں تو واللہ یہ سمجھے ہوئے تھا کہ ان مولویوں نے یہ احکام تجویز کر لئے ہیں۔ تو بعضوں کا یہ گمان ہے کہ مولویوں نے سب احکام اپنے گھر سے بنا لئے ہیں۔ غنیمت ہے مولویوں ہی تک تبرا پہنچایا۔ آگے حضور تک نہیں پہنچے۔ الحمدللہ کہ علماء وقایہ[۱] تو ہو گئے حضور کے سبحان اللہ، غرض یہ ہے کہ اپنے نزدیک اس قسم کی اصلاحات کرتے ہیں۔ اس کی بناء یہ ہے کہ وہ یوں سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم کو بالکل آزاد رکھا ہے اس لیے بہت سے احکام کی تشریح کا انکار ہے سو بعضے اس اعتقاد کے لوگ مسلمانوں میں بھی ہیں۔ اب اگر کوئی دوسرا شخص ہوتا تو ان پر بھی فتویٰ دیتا مگر میں فتوے میں رعایت کرتا ہوں۔ کیونکہ ان کے اعتقاد میں اور کفار کے اعتقاد میں فرق ہے۔ اُن کا تو اعتقاد ہے کہ شریعت سرے ہی سے کوئی چیز نہیں ہے اور اِنکا اعتقاد ہے کہ شریعت تو ہے مگر اس کی مجموعی ہیئت وہ نہیں جو علما نے سمجھا رکھی ہے اس لیے کافر نہیں کہے جا سکتے۔ ہاں قریب ہیں ضرور کفر کے جیسے ایک شخص نہر کے کنارہ پر کھڑا ہے اور اندیشہ ہے کہ پاؤں پھسلا اور پانی میں غرق، بہر حال اس خیال کے بھی لوگ ہیں مسلمانوں میں قرآن مجید اس کو بھی رد کر رہا ہے۔

اعتراض کا جواب

اگر کوئی شخص کہے کہ اس خیال سے تو علماء بھی خالی نہیں کیونکہ علماء بھی بہت سی چیزوں کو جائز کہتے ہیں یہ نہیں کہ وہ کسی امر میں آزادی کے قائل ہی نہ ہوں ان کے نزدیک بھی بہت سے افعال واعمال جائز بھی ہیں تو ایسے امور کے جائز کہنے کا حاصل یہی ہوا کہ انسان مخیر ہے[۲] شریعت نے اس کو آزادی دی ہے تو تخییر اور اختیار اور آزادی اور اطلاق جواز میں فرق ہی کیا ہوا۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہم جو معتقد ہیں کہ بعض امور میں ہم کو آزادی دی گئی ہے تو اس بنا پر نہیں کہ ان سے شریعت نے تعریض نہیں کیا بلکہ اس بنا پر معتقد ہیں کہ ان کو شریعت نے جائز قرار دیا ہے۔ ان

(۱) علماء حضور پر تبراء بھیجنے میں آڑ بن گئے (۲) انسان کو اختیار دیا گیا ہے۔

دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے ۔ ایک میں شریعت کا اعمال ہے ایک میں اہمال ہے[1] غرض بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کے متعلق کہیں بھی قانون شرعی نے خاص قیود سے مقید نہیں کیا مثلاً قانون شریعت میں اس کے متعلق کوئی قید نہیں کہ عمامہ[2] میں چار پیچ ہوں زیادہ نہ ہوں تو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا قانون نے اس سے تعرض ہی نہیں کیا حالانکہ یہ نہیں ہے بلکہ قانون نے اس کے متعلق بحث کی ہے اور بحث کرکے اجازت دی ہے تو علماء کا اعتقاد یہ نہیں ہے کہ بعض امور کے متعلق شریعت نے بحث ہی نہیں کی۔ نہیں بلکہ شریعت نے بحث کی ہے اور بحث کرکے ان امور کی اجازت دی۔ غرض یہ ہے کہ جن امور کو علما نے جائز کیا ہے ان امور کے متعلق شریعت سے فتویٰ جواز کا ملا تب جائز کیا، اگر شریعت سے فتویٰ جواز کا نہ ملتا تو ہرگز جائز نہ کرتے اور آزاد لوگ شریعت میں جواز کا فتویٰ تلاش ہی نہیں کرتے۔ یہ فرق ہے علماء کی آزادی میں اور ان لوگوں کی آزادی میں، بہرحال قرآن مجید رد کررہا ہے ان کے اس خیال کو۔

دو قسم کے لوگ

یہاں ایک تقسیم اور بھی ہے وہ یہ کہ ایک قسم یہ ہے کہ تمام احکام میں یہ اعتقاد یا خیال یا برتاؤ ہے اور ایک یہ کہ بعض میں ہے اور بعض میں نہیں۔ سو ایسا تو کوئی مسلمان نہیں کہ تمام احکام میں یہ اعتقاد یا خیال یا عمل رکھتا ہو البتہ ایسے بہت لوگ پائے جاتے ہیں کہ بعض احکام میں ضرور ان کا یہی خیال یا اعتقاد یا عمل ہے چنانچہ ابھی میں نے بیان کیا کہ ان کا یہ خیال ہے کہ بہت سے امور سے شریعت نے تعرض نہیں کیا اور یہ خیال جیسا کہ نقلاً ونصاً باطل ہے اسی طرح عقلاً بھی باطل ہے۔

حق تعالیٰ کی مالکیت اور حاکم کی مالکیت میں فرق

وجہ یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ ہمارے مالک ہیں یا نہیں اور پھر مالک ہیں تو مطلقاً یا بعض وجوہ سے یا یوں سمجھئے کہ ہم لوگ ان کی ملک تام ہیں یا ملک

(۱) ایک میں شریعت پر عمل کرنا ہے دوسرے میں شریعت کو مہمل قرار دینا ہے (۲) پگڑی۔

ناقص۔ دوسرے یہ دیکھنا چاہئے کہ مالک کو حق ہوتا ہے تصرف کا یا نہیں۔ یعنی حق تصرف مبنی مالکیت پر ہے یا نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ تصرف کرنا موقوف ہے مالک ہونے پر۔ نیز مالک ہونا مقتضی ہے تصرف کرنے کو۔ یعنی جیسا کہ تصرف کرنا موقوف ہے مالک ہونے پر ایسے ہی مالک ہونا مقتضی ہے تصرف کرنے کو یعنی نہ تصرف ہوسکتا ہے بدون مالکیت (۱) کے نہ مالکیت متحقق ہوتی ہے بدون تصرف کے۔ پہلا قضیہ تو بالکل صاف ہے حتی کہ جہاں بھی تصرف صحیح ہوگا وہاں مالکیت کا ہونا ضروری ہے خواہ ناقص ہو یا تام مثلاً حکام دنیویہ جو رعایا میں تصرف کرتے ہیں اسی بناء پر کہ وہ ایک درجہ میں اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہیں گو وہ درجہ لغت میں ملکیت کا ہے یعنی حاکم مالک نہیں ہے صرف مَلِک (۲) ہے مَلِک کہتے ہیں حاکم کو اور بادشاہ کو اور بادشاہ مالک نہیں ہوتا کیونکہ لوگ اس کے بردے (۳) اور غلام نہیں البتہ ایک گونہ اس کو اختیار ہوتا ہے خاص مصالح کی وجہ سے بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ کہیں تصرف نہیں ہوتا بدون مالکیت کے۔ اگر ہے تو غصب اور ظلم ہے مثلاً کوئی ڈاکو اگر تصرف کرے تو اس کا نام غصب ہے اور ظلم ہے۔ تو تصرف صحیح اور تصرف بحق بدون مالکیت کے نہیں ہوتا۔ سو یہ تو بالکل صاف ہے البتہ اس میں ذرا خفا ہے کہ مالکیت کا تحقق بدون تصرف کے نہیں ہوتا کیونکہ ظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک ہونے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ تصرف بھی کرے، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ بادشاہ اور حکام بعض چیز کو کبھی ہاتھ بھی نہیں لگاتے۔ غرض اس میں ذرا خفا (۴) ہے۔ تو بات یہ ہے کہ ایک تو مالک وہ ہے جس کا علم ناتمام جس کی قدرت ناتمام جس کی شفقت ناتمام جس کی حکمت ناتمام جس کا تصرف ناتمام جس کی مِلک ناتمام۔ ایسی مالکیت تو واقعی مقتضی نہیں تصرف کو اور ایک مالک وہ ہے کہ علم اس کا محیط ہر وقت اسے معلوم کہ کون چیز کس حالت میں ہے قدرت اس کی پوری ہر قسم کے تصرف پر وہ قادر توجہ اس کی ایسی کامل کہ ایک قسم کی توجہ دوسری قسم کے توجہ سے مانع نہیں لایشغلہ شان من شان ایک

(۱) بغیر مالک ہوئے (۲) بادشاہ (۳) بندے اور غلام (۴) پوشیدگی۔

حال دوسرے حال سے اس کو غافل نہیں کرتا پھر حکم بھی علی الاطلاق کہ سب چیزوں کی مصالح کو محیط، ادھر شفقت بھی عام اور تام، نہایت خیر خواہ ہر چیز کی جو مصلحت ہے اس کے موافق اس کو مکمل بھی کرتا ہے ایک مقدمہ تو یہ اور دوسرا مقدمہ یہ کہ تکمیل بلا تصرف ہو نہیں سکتی۔ جو مالک اس شان کا ہوگا وہ ان صفات کی وجہ سے لازم ہے کہ ہر وقت اپنی مملوک چیز میں تصرف کرے۔ حق تعالیٰ کی چونکہ یہی شان ہے اور تمام صفات کمال کی اس میں موجود ہیں تو عادۃً ممکن نہیں کہ وہ ہر چیز میں ہر وقت تصرف نہ کرے۔

تصرف کی اقسام

پھر تصرف کی دو قسمیں ہیں ایک تصرف تشریعی ایک تصرف تکوینی کسی چیز میں یہ کہ مثلاً اس شئے کا موجود کرنا اس شئے کو نشوونما(۱) دینا اس کو صحت دینا اس کو مریض کرنا اس کو ہلاک کرنا اس کو معدوم کرنا یہ تو تصرف تکوینی ہوا۔ ایک تصرف تشریعی ہے یعنی یہ خطاب کرنا کہ فلاں چیز جائز ہے فلاں چیز ناجائز کسی شے کی نسبت امر(۲) کرنا کسی شے سے نہی(۳) کرنا جب آن کے تصرفات عام ہیں تو جیسا کہ تکوینی تصرف سے کوئی چیز کسی وقت خالی نہیں اسی طرح تشریعی کیفیت سے بھی کوئی شے کسی وقت عقلاً خالی نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر کوئی امر اس تصرف سے مانع ہو تو وہ اور بات ہے مثلاً مخاطب میں عقل نہ ہو بلوغ نہ ہو ومثل ذلک(۴) پس انسان کو بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ اس میں بھی ہر وقت متصرف ہیں۔ اسی تصرف کو اس آیت میں ظاہر فرمایا گیا ہے قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (۵)۔ تو صلوۃ اور نسک(۶) تصرفات تشریعیہ ہیں اور محیا وممات(۷) تصرفات تکوینیہ ہیں۔ اس سے ہر قسم کے تصرفات حق تعالیٰ کے لیے ثابت ہوئے۔ آگے فرماتے ہیں لا شریك له۔ سبحان اللہ اور کوئی شخص نہیں ہے جو ان تصرفات میں شریک ہو۔ ہر چیز میں حق تعالیٰ ہی متصرف ہیں اور کسی کا تصرف نہیں۔ تو ایسے تصرف کا انکار کیسے ہوسکتا ہے لہٰذا یہ ضروری بات ہے کہ کسی امر میں

(۱) اس چیز کی بڑھوتری (۲) کسی چیز کا حکم دینا (۳) کسی چیز سے منع کرنا (۴) اور ایسا ہی کوئی عذر (۵) سورۃ الانعام: ۱۶۲ (۶) نماز اور قربانی (۷) موت وحیات۔

بھی ہم کو مہمل نہیں چھوڑا گیا تو لازم آ گئی یہ بات اور ثابت ہو گیا کہ کسی ایک حکم میں بھی اور کسی وقت بھی ہم کو آزاد نہیں چھوڑا اور کوئی ایسی حالت نہیں جس سے شریعت نے تعرض نہ کیا ہو۔

رسوم کے بارے میں لوگوں کا خیال

اب کیا حال ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ شریعت کا قانون ہماری ہر حالت سے تعرض نہیں کرتا(۱) بلکہ بعض سے کرتا ہے بعض سے نہیں کرتا۔ غرض حق تعالیٰ کے قانون کو دنیوی قانون پر قیاس نہیں کر سکتے اس لیے کہ وہاں جو حکام ہیں ان کا تصرف عام نہیں ہے کیونکہ ان کی مالکیت ناتمام ہے اور مالکیت اس وجہ سے ناتمام ہے کہ جو کمالات شرط ہیں مالکیت کے وہ ان میں ناتمام ہیں۔ اور چونکہ حق تعالیٰ کے کمالات تام ہیں اس لیے ان کے تصرفات بھی عام اور تام ہونے چاہئیں غرض خدائے تعالیٰ کا یہ تصرف ہے کہ ہم ان کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں نشوونما پاتے ہیں صحت یاب ہوتے ہیں مریض ہوتے ہیں اسی طرح یہ بھی تصرف ہے کہ وہ ہم کو ہر حالت میں خطاب کرتے ہیں کہ افعل کذا ولا تفعل کذا یہ کام کرو اور یہ کام نہ کرو یہ حاصل ہے آیت کا، اسی سے موقع شناسوں کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ کیا ضرورت ہے اس بیان کرنے کی۔ وہ ضرورت یہ ہے کہ اس تقریب نکاح میں مجھ کو بلایا گیا ہے اور اس کے متعلق بھی لوگوں کے ایسے ہی غلط خیالات ہیں کہ شریعت نے اس کی رسوم سے تعرض نہیں کیا یا تعرض کیا ہے تو اس طرح سے کہ ہم کو سب رسوم کی اجازت دی ہے اور یہ خیال خصوص ان رسوم کے متعلق نہایت عام ہے جن کی صورت بھی مباح ہے پس مجھ کو ان ہی کی اصلاح اس بیان سے مقصود ہے کیونکہ جی یوں چاہا کرتا ہے کہ ہر وقت کی ضرورت کے اقتضاء کے موافق بیان کیا جائے ورنہ یہ حال ہوگا جیسے کسی کو ہو تو بخار اور نسخہ لکھ دیا جاوے دردسر کا تو وہ ایسا بیان ہوگا۔ بخلاف اس بیان کے جو اقتضائے وقت کے موافق ہو وہ ایسا ہوگا کہ جیسا مرض ویسا علاج تو ان تقریبات کے متعلق بہت لوگوں کے جو خیالات ہیں ان کے غلط ہونے کو اس وقت ظاہر کرنا ہے اس لیے تقریبات کے متعلق دو قسم کے اعمال ہیں ایک وہ ہیں جن کو ہر شخص

(۱) مداخلت نہیں کرتا۔

جو ذرہ برابر بھی دین سے مس رکھتا ہے ان اعمال کو برا اور ناجائز اور حرام سمجھتا ہے وہ اعمال رسوم شرکیہ و بدعیہ ہیں جن کو ہر شخص جو ذرا بھی تعلق اور جو کچھ بھی مس دین سے رکھتا ہے ناجائز سمجھتا ہے باقی جن کو دین سے کچھ بھی مس نہ ہوانکا تو ذکر ہی کیا ان کے یہاں تو ہر چیز جائز ہے۔

بعض قدیم رسومات

چنانچہ پہلے زمانہ میں ہر طرح کے شگون اور ٹوٹکے فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب اور لازم سمجھے جاتے تھے بلکہ اب بھی پرانے خیال کی بوڑھوں میں وہ مرض موجود ہے ذرا ذراسی بات سے فال اور شگون لیتی ہیں جس کی نسبت حدیث شریف میں صاف لاطیرۃ آیا ہے بدشگونی اور ٹوٹکہ کوئی چیز نہیں بعض ایام کو منحوس سمجھتے ہیں بدھ منحوس ہے منگل کا دن ایسا ہے فلاں دن فلاں طرف سفر کرنا برا ہے فلاں دن فلاں طرف اچھا ہے فلاں دن کپڑا مت خریدو فلاں دن کپڑا مت سیو اور بہت سے خیالات ہیں کوّا بولا مہمان آئیگا جوتی پر جوتی چڑھ گئی سفر ہوگا ہتھیلی کھجلائی روپیہ آئیگا خرافات جاہلیت کے خیالات اور حیرت کی بات ہے کہ ان خرافات کے لیے دلائل تجویز کئے ہیں کہیں فال نامے ہیں۔ کہیں حضرت علی سے روایتیں ہیں حضرت علی انہیں ایسے سستے مل گئے ہیں کہ تمام عجائب غرائب ان کے سر مڑھ (۱) دئے جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ حضرات اہل بیت کے علوم تو مستفاد عن النبوۃ (۲) ہیں جب حضور فرماتے ہیں لاطیرۃ تو حضرت اہل بیت کیسے قائل ہوجاویں گے طیرہ کے۔ پہلے زمانہ میں شادیوں کے اندر ایسی رسمیں شرک و بدعت کی بیحد تھیں یہاں تک کہ مُوسَل (۳) میں ڈوری بندھوانے کی ایک رسم تھی جب کوئی بزرگ خاندان آتا تھا تو اس سے برکت کے لیے ڈوری بندھواتے تھے اور تعجب کی بات ہے کہ علماء کو بھی ان خرافات میں شریک کر لیتی تھیں اپنے گھر میں کوئی عالم ہوا تو اسے موسل (۴) میں ڈوری باندھنے لے جاتیں تاکہ برکت ہو اور من بھر کی جگہ دو من چاول نکل آویں۔ کہیں

(۱) ان کی طرف منسوب کر دیئے جاتے ہیں (۲) اہل بیت کے علوم نبوت کے علوم سے ماخوذ ہیں (۳) چاول چھڑنے کا آلہ جیسے آج کل تھریشر ہوتا ہے (۴) چاول چھڑنے کا آلہ جیسے آج کل تھریشر ہوتا ہے۔

دلہن کے پلہ میں ہلدی کی گرہ باندھتیں۔ کہیں ایک بچہ اس کی گود میں دیتیں کہ دیکھ اللہ میاں ایسا ہی بچہ لے لوں گی۔ یہ باتیں کہیں کہیں اب بھی ہیں کسی عورت کے اگر بچے نہ جییں تو بعض جاہل بچہ کو پیدا ہوتے ہی گھوڑے پر ڈال آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھ اللہ میاں اگر لینا ہے تو ابھی لے لے۔ نہیں پھر نہیں ملے گا اگر وہ کچھ دنوں نہیں مرتا تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا انکا معاہدہ پورا ہوا۔ معاہدہ ہوا ہی کب تھا اگر ہوا بھی تو ایک ہی طرف سے تو ہوا۔ اس قسم کی خرافات کثرت سے ہیں۔ اناؤ(۱) کے ضلع میں میرے ایک دوست نے ایک نکاح میں مدعو کیا تھا میں نے کہا خرافات تو نہیں ہوں گی انہوں نے وعدہ کیا کہ نہیں ہوں گی اور وعدہ بھی کیا عورتوں سے وعدہ لیکر۔ ایک دن رات کو مجھے تو نیند میں پتہ بھی نہ چلا ان کو ڈہمک ڈہمک کی آواز سنائی دی گھر میں گئے تو دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے انہوں نے ڈانٹا کہ یہ کیا واہیات ہے۔ کہا کچھ نہیں ذرا سا شگون کیا تھا اتنا بھی نہ ہو تو میت میں اور شادی میں فرق ہی کیا رہے۔

بے ہودہ خیالات

میرٹھ میں تماشہ ہوا ایک رئیس کے یہاں شادی تھی وہ بہت متبع سنت تھے بالکل سادگی کے ساتھ تقریب تھی نہ ڈھول نہ تاشہ (۲) نہ باجا نہ گاجا۔ ایک صاحب چپکے سے بولے ارے میاں چنوں کی کسر ہے ان رئیس صاحب نے کہیں سن لیا خدمت گار کو حکم دیا کہ ایک روپیہ کے چنے لے آؤ جب وہ لے آیا تو کہا ان کے سامنے رکھ دو اور کہا پڑھیے کلمہ شریف کیا حرج ہے اور برکت ہو جائیگی۔ اور کلمہ شریف کی برکت ہی حاصل کرنے کے لیے تو اس کو میت کے لیے پڑھتے ہیں تو میری شادی میں برکت ہو جاوے گی اسی طرح سورہ یٰسین شریف جو موت کے قریب پڑھی جاتی ہے تو خاص برکات کے لیے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسکا خاص موت ہی سے تعلق ہے میں ایک جگہ مریض کی عیادت کے لیے گیا اس وقت جی چاہا کہ برکت کے لیے سورہ یٰسین شریف پڑھوں مگر ڈر کے مارے پکار کر نہ پڑھی کہ عورتیں کوسیں گی ایک ظریف (۳) کو پورا قرآن تو یاد نہ تھا محض

(۱) جگہ کا نام ہے (۲) نہ گانا نہ بجانا (۳) خوش مزاج شخص۔

جاہل تھا لیکن گاؤں میں اپنے کو حافظ مشہور کیا رمضان شریف میں اِدھر اُدھر کی جو سورتیں یاد تھیں انہیں ملا ملا کر سنا دیا اور کہا کہ کلام مجید ختم ہوگیا مٹھائی تقسیم کرو گاؤں میں ایک شخص کو یٰسین یاد تھی حافظ جی نے یٰسین پڑھی نہ تھی کیونکہ انہیں یاد ہی نہ تھی اس نے کہا حافظ جی یٰسین نہیں پڑھی وہیں بولے میاں کہیں نماز میں یٰسین بھی پڑھی جاتی ہے وہ تو مردوں پر پڑھی جاتی ہے اگر میں پڑھ دیتا تو سارا گاؤں مر جاتا یہ سن کر وہ راضی ہوگیا مردہ کے تلبس (۱) کا اتنا بڑا اثر سمجھتے ہیں کہ مردہ کی چارپائی کو منحوس سمجھتے ہیں اس کے کپڑے پہننے کے منحوس سمجھے جاتے ہیں ان سب کو خیرات کر دیتے ہیں گویا خیرات کے لیے منحوس چیزیں ہیں مگر تماشا ہے کہ مردہ کی ساری چیزیں تو منحوس لیکن روپیہ اور جائداد منحوس نہیں یہ تو ایسے مبارک ہیں کہ انکے لیے پہلے سے امید لگائے بیٹھے رہتے ہیں بھائی اگر مردہ کی چیز منحوس ہے تو روپیہ اور جائداد کیوں نہ منحوس ہوگئے چونکہ یٰسین شریف بھی مردہ کے مرنے کے وقت پڑھی جاتی ہے لہٰذا اس کو بھی اسی ذیل میں داخل کرلیا ہے اور اب کلمہ شریف کو بھی ایسا ہی سمجھنے لگے غرض یہاں تک غلو ہوگیا ہے کہ جس شادی میں ڈھول ڈھما کا نہ ہو اسے میت کی مجلس سمجھتے ہیں اسی لیے ان عورتوں نے شگون کیا تھا ڈھول سے صاحب خانہ مجھ سے معذرت کرنے لگے میں نے کہا کیا بات ہے انہوں نے ساری حکایت بیان کی ۔ یہاں تک کہ لوگوں کا اعتقاد ہے کہ بالکل اس تقریب کو جس کے اندر رسوم شرکیہ نہ ہوں تقریب ہی نہیں سمجھتے۔

رسوم شرکیہ میں کمی کی وجہ

پہلے تو بہت زیادہ اس خیال کے تھے لیکن بعضے اب بھی اس خیال کے ہیں مگر کم، دو وجہ سے ایک تو علم دین کی وجہ سے کہ اب علم دین پہلے سے بڑھ گیا ہے اور ایک علم دنیا کی وجہ سے یعنی دو قسم کے لوگ ہیں اہل دین اور اہل دنیا دونوں ان رسوم کے قبیح ہونے پر متفق ہیں اہل دین قبیح سمجھتے ہیں بوجہ مخالفت شریعت کے اور اہل دنیا شریعت کے تو زیادہ لمبے چوڑے معتقد نہیں لیکن چونکہ یہ رسمیں عقل کے بھی خلاف ہیں اور لغو ہیں

(۱) مردے کی طرف منسوب ہونے کا یہ اثر۔

اس لیے نئی روشنی والے بھی ان کو قبیح سمجھتے ہیں مگر چونکہ یہ لوگ محض عقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان رسوم کو قبیح سمجھتے ہیں اس واسطے ہم ان کے ممنون نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے شریعت کو نہیں لیا بلکہ محض عقل کا اتباع کیا۔

عقل تابع شریعت ہے

ہم تو عقل کو بھی شریعت کے تابع رکھتے ہیں ہم تو اول یہ دیکھیں گے کہ عقل جو حکم دیتی ہے وہ شریعت کے فتوی کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر موافق ہے تو خیر ورنہ یہ کہہ دیں گے۔

آزمودہ عقل دور اندیش را بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را(۱)

ہمیں ایسی عقل بھی نہیں چاہئے جو شریعت کے تابع نہ ہو مگر عقل بالکل بیکار بھی نہیں ہے اس کی مثال گھوڑے اور دامن کوہ کی سی ہے صرف اتنا کام عقل کا ہے کہ دامن کوہ تک پہونچادے۔ اس کے بعد پہاڑ پر چڑھنے میں گھوڑا کچھ کام نہیں دے سکتا۔ آگے ضرورت ہے قدم کی۔ اسی طرح عقل اصول تک تو کار آمد ہے لیکن فروع کے درمیان ناکارۂ محض ہے۔ ہاں عقل پر احسان ہے کہ اگر وہ کسی مقام پر شریعت کی خادم ہوکر کچھ تقریر کرے تو اس کی تقریر سن لی جائے اگر کوئی بڑا حاکم کوئی تقریر کررہا ہو اور اس کا خانساماں اس کی تائید میں کہے جی حضور بجا ہے تو کیا اس خانساماں کی اس تائید کرنے سے اس حاکم کے قول کی کچھ قدر بڑھ گئی اور کیا وہ اس تائید سے خود حاکم ہوگیا ہرگز نہیں بلکہ اس حاکم کا اس خانساماں پر احسان ہے کہ اس کی تائید کو سن لیا ہم تو اس خانساماں کو ڈانٹ دیتے کہ کیا بک بک کررہا ہے۔ تو شریعت کی یہ عنایت ہے کہ اگر عقل شریعت کی خادم ہوکر اس کی تائید کرتی ہے تو وہ اس کی تائید کو سن لیتے ہیں ورنہ عقل کے دخل اور معقولات کا مقتضاء تو یہ تھا کہ شریعت عقل کو بولنے تک کی اجازت نہ دیتی۔ غرض حق تو یہ تھا کہ عقل شریعت کے سامنے لا و نعم (۲) کچھ نہ کہے۔ بلا قیل وقال (۳) اس کا

(۱) ''میں نے اپنی دوراندیش عقل کو آزمالیا اور پھر دیوانہ بنا'' (۲) ہاں اور نہیں (۳) بغیر حیل وحجت اس کا کہنا مانے۔

اتباع کرے ہاں البتہ اگر نعم کہے تو ہم تب بھی قدر کریں گے اور اگر کچھ نہ کہے تو وہ درجہ اس سے بھی بڑا ہوا ہے۔

گرچہ تفسیر زباں روشن گرست   لیک عشق بے زباں روشن تراست (۱)

اور اس انقیاد کے لزوم کی وجہ کیا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ جو علاقہ ہے مومن کو وہ محض عقلی نہیں ہے بلکہ عشقی ہے اور جو عشقی علاقہ ہوتا ہے اس کا مقتضاء یہ ہوتا ہے۔

زندہ کنی عطائے تو ور بہ کشی فدائے تو   دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو (۲)

اور اس کا مذہب یہ ہوتا ہے۔

ناخوش تو خوش بود برجان من   دل فدائے یار دل رنجان من (۳)

ذرا بھی کہیں چون و چرا نہیں کرتا فانی محض ہوتا ہے پس عشقی علاقہ اس کو مقتضی ہے کہ جہاں شریعت کا کوئی حکم سن لے اس کو بے چون و چرا مان لے اس عشقی علاقہ میں عقل بیچاری کی رسائی بھی نہیں ہے مگر خیر اگر اس کی تصدیق اور تائید میں کچھ بولے تو اجازت ہے بہرحال ان عقلا نے ان رسوم کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ شریعت کے خلاف ہیں بلکہ اس وجہ سے ممانعت کی ہے کہ وہ ان رسوم کو اپنے نزدیک عقل کے خلاف سمجھتے ہیں اس واسطے ہم ان کے ممنون نہیں کیونکہ جب بناء ان کے حکم کی محض ان کی عقل نارسا ہے (۴) تو اگر کوئی حکم صحیح ان کے عقل کے خلاف ان کو معلوم ہوگا تو یہ اس حکم صحیح کو بھی چھوڑ دیں گے لیکن خیر اس پر بھی اگر ہم ممنون نہیں تو خاص اس تائید میں شاکی بھی نہیں لیکن بعد تعمق (۵) نظر ایک حالت پر شاکی (۶) بھی ہیں مگر شاکی دوستانہ ہیں اور شکایت دوستوں ہی سے ہوتی ہے وہ مسلمان ہیں اور ہمارے بھائی ہیں وہ شکایت معاندانہ اور نفرت کی نہیں ہے وہ شکایت یہ ہے کہ عورتوں کو تو منع کرتے ہیں کہ فضول

---

(۱) ''اگرچہ زبانی تفسیر کرنا روشنی کا باعث ہے لیکن عشق کی بے زبانی زیادہ روشنی کا باعث ہے'' (۲) ''زندگی دیں آپ کی عطاء ہے موت دیں جان فدا ہے۔ دل آپ کے عشق میں مبتلاء ہے جو دل چاہے کریں''
(۳) ''جس بات سے تو خوش ہے مجھے پسند ہے چاہے میری مرضی کے مطابق نہ ہو دل تجھ پر فدا ہے''
(۴) حقیقت تک نہ پہنچنے والی عقل (۵) گہری نظر سے دیکھنے کے بعد (۶) شکایت بھی ہے۔

خرچیاں مت کرو اور خود ان کا یہ حال ہے کہ عورتوں کا زیور وغیرہ اُتار کر اپنا فرنیچر درست کرلیا میز اور کرسی اور ہارمونیم اور گراموفون اور خاک بلا سیکڑوں فضول چیزیں جمع کرلیں۔ ایک عورت شکایت کرتی تھی اور سچی شکایت کرتی تھی کہ ہمیں تو زیور سے خالی کردیا۔ یہ بھی آجکل کا مزاق ہے کہ عورتوں کو لڑکا سا رکھنا پسند کرتے ہیں نہ زیور ہے نہ کچھ ہے نہ کچھ ہے یہ ایم اے ہیں وہ میمیں ہیں وہ بی بی ہیں یہ بی اے ہیں گو قافیہ نہ ملا۔ وہ عورت کہنے لگی کہ ہمارا سارا زیور چھین کر خود اپنے اوپر لادلیا سر پر بجائے جھومر کے ٹوپی کا پھندنا، گلے میں بجائے گلوبند اور ہار کے نکٹائی اور کالر تجویز کرلیا پاؤں میں بجائے کڑوں کے کلپ ہاتھوں میں کف، حتی کہ کف کی بدولت نماز کی ہی توفیق نہیں ہوتی کیونکہ وضو میں کف نہ بگڑ جاویں گے شکن نہ پڑ جاویں گی۔ بہرحال عورتوں کو تو زیور وغیرہ اتار کر ننگا منڈا کردیا ان کو لگادیا اپنی ضروریات میں اور خود فضولیات میں مبتلا ہوگئے۔ مگر خیر

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی گو مشتِ خاک ماہم برباد رفتہ باشد(۱)

اتنا کام تو ہمارا چلا کہ اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ رسوم نقلاً تو قبیح ہیں ہی عقلاً بھی ان لوگوں نے قبیح تسلیم کرلیا ہمارا اتنا کام تو چل گیا بہرحال اس وقت عقل پرستی کا بہت غلو ہے اس وجہ سے ہم کو یہ جوڑ لگانا پڑا کہ عقل بھی منع کرتی ہے ان رسوم شرک و بدعت کو۔ غرض ان رسوم کے قبیح سمجھنے میں تو اہل عقل و نقل دونوں متفق ہیں۔

رسوم تفاخر

اب رہیں دوسری رسوم ان میں بڑے بڑے عقلا بھی مبتلا ہیں اور کیا کہوں کہتے ہوئے شرم آتی ہے لیکن واقعہ ہے کہ بہت سے علما بھی ان رسوم میں ڈھیلے ہیں۔ میرے پاس ایسے خطوط آتے ہیں کہ اگر مجمع کرلیا یا کھانا کھلا دیا یا آپس میں کچھ دے دلا دیا تو اسمیں شریعت کے خلاف کونسی بات ہوگئی جب ہمارے طبیب ہی مریض ہیں تو پھر مریضوں کا علاج کون کرے وہ بیچارے جائیں کہاں۔ بات کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ

(۱) ''ہم خوش ہیں کہ رقیبوں سے دامن بچا کر گزرے اگرچہ ہماری ہی مٹھی بھر مٹی برباد ہوجائیگی''۔

رسوم دو قسم کی ہیں ایک وہ جو شرک و بدعت ہیں اور دوسری تفاخر کی۔ میں کہتا ہوں کہ رسوم شرکیہ و بدعیہ تو بیشک گھٹ گئی ہیں لیکن تفاخر کی رسوم پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہیں اور چونکہ تفاخر کی رسوم کو رسوم ہی نہیں سمجھا جاتا اس لیے جب رسوم کی ممانعت کی جاتی ہے تو لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اس وقت روشنی کا زمانہ ہے اب رسوم ہی کہاں رہ گئی ہیں اور نظائر میں ان ہی رسوم شرکیہ کو پیش کر دیتے ہیں اور واقع میں وہ بہت کم ہوگئی ہیں لیکن رسوم فخریہ پہلے سے بھی بڑھ گئی ہیں کیونکہ پچھلے زمانہ میں نہ اتنا تمول تھا(۱) نہ اتنا دماغوں میں غلو تھا نہ فخر میں غلو تھا بالکل ایک سیدھی سادی معاشرت تھی بڑے بڑے امراء گاڑھا گزی (۲) پہنتے تھے ہمارے قصبہ میں صرف ایک رئیس کے یہاں ایک فرش اور ایک مراد آبادی حقہ اور ایک فتیل سوز (۳) تھا باوجودیکہ ہزاروں خوش حال اور متمول لوگ تھے جب کسی کے یہاں شادی ہوتی تو یہ چیزیں ان کے یہاں سے منگوائی جاتیں۔ فرش قالین وغیرہ اور کسی کے یہاں نہ تھا اب بھی پہلے بادشاہوں کے جوڑے عجائب خانوں میں موجود ہیں انہیں کو دیکھ لیجیے وہ ایسے ادنیٰ درجہ کے ہیں کہ بادشاہ تو بہت بڑی چیز ہے اب کوئی ادنیٰ ملازم بھی ایسے کپڑوں کو پسند نہیں کرتا یہاں تک کہ بادشاہ لوگ بھی نینو (۴) استعمال کرتے تھے چنانچہ ظفر شاہ کا جامہ نینو کا ابتک موجود ہے کیا ٹھکانا ہے سادگی کا اب نینو چماریاں اور بھنگنیں بھی نہیں پہنتیں۔ یہ حالت تھی اس زمانہ میں بہت ہی سادگی تھی کبر و فخر بھی کم تھا اور اس قسم کے لباس ہوتے تھے پہلے زمانہ میں اور اب تو یہ حالت ہے کہ اگر دو سو سے کم کا ہو تو وہ جوڑا ہی نہیں اس کا نام کفن رکھا ہے کہا جاتا ہے کہ جوڑا کیا دیا جیسے کفن ڈال دیا۔

پہنا دینا

اور اکثر جو جوڑے دوسرے عزیزوں کو دئے جاتے ہیں وہ ہوتے بھی ایسے ہی ہیں کیونکہ اب تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہوں دس چاہے ہوں بالکل کفن سے خواہ مخواہ بہت سے جوڑے دئے جاتے ہیں یہ بہو کے باپ ماں کا ہے یہ نانا نانی کا ہے یہ خاک کا

(۱) مال داری (۲) ایک ہلکے قسم کا دیسی اور موٹا سوتی کپڑا (۳) شمع دان (۴) سوتی باریک کپڑا آنکھ کی مانند تارے بنے ہوتے تھے۔

ہے یہ بلا کا ہے غرض عدد کا پورا کرنا ضروری ہے حالانکہ ضرورت ایک کی بھی نہیں۔

ضرورت شعری

جیسے کہ کوئی لفظ بضرورت شعر بڑھا دیا جاتا ہے لیکن مصلح تو یہی کہے گا کہ شعر گفتن چہ ضرور(۱)۔ مرزا فائق ایک شاعر تھا اس نے ایک خط منظوم غالب کو لکھا جس کے ایک شعر میں ید کا لفظ مشدد آتا تھا اور اس کے حاشیہ پر لکھدیا کہ تشدید بضرورت شعر غالب ایک مسخرہ شخص اگر حاشیہ پر وہ نہ بھی لکھتا تب بھی وہ کہیں چوکنے والا تھا اور اب تو ایک بہانہ مل گیا مسخرے نے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھا۔

چہ خوش گفت فائقؔ شاعرؔ غرّا ۔۔۔ کہ کس ہمچو من ذہن رسّا نباشد
چو مقّام ضرّورت شعر اُفتد ۔۔۔ تشدِّید جائزّ چرّا نباشد

حقیقت میں شعر گفتن چہ ضرور اسی طرح ان کو ضرورت اتنے جوڑوں کی کیا تھی کونسی وحی نازل ہوئی تھی اس کی بنا کیا ہے محض فخر اور اس کو کوئی برا سمجھتا نہیں اور برا کیوں نہیں سمجھتا وجہ اس کی یہ ہے کہ ہماری فہرست معاصی کی نہایت مختصر ہے ہم نے معاصی کی فہرست میں انتخاب کیا ہے ہماری فہرست میں معاصی صرف دو چار ہیں زنا، چوری، قتل، شراب خوری بس یہ چند چیزیں ہمارے نزدیک معاصی ہیں اور کوئی چیز معصیت ہی نہیں۔

گناہ کی اقسام

اگر یہ بات ہے تو حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے کیا معنی سنئے ارشاد فرماتے ہیں وَذَرُوا۟ ظَـٰهِرَ ٱلْإِثْمِ وَبَاطِنَهُۥٓ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ گناہ کی دو قسمیں ہیں ظاہری گناہ اور باطنی گناہ ، ظاہری گناہ کی تفسیر یہ ہے کہ جو محسوس ہو دوسروں کو اور باطنی گناہ وہ ہے جو دوسروں کو محسوس نہ ہو۔ پس معلوم ہوا کہ یہ جو ظاہری گناہ ہیں صرف یہی گناہ نہیں ہیں بلکہ اور بھی گناہ ہیں جو محسوس نہیں۔ اور یہ جو محسوس گناہ ہیں ظاہر کے یہ محسوس کیوں ہیں محسوس اس لیے ہیں کہ انکا محل محسوس ہے یعنی ہاتھ پاؤں آنکھ زبان وغیرہ ان جوارح سے

(۱) شعر کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے (۲) سورۃ الانعام: ۱۲۰

جو گناہ ہوتے ہیں چونکہ یہ جوارح محسوس ہیں اس واسطے ان کے افعال بھی محسوس ہوتے ہیں۔ اور باطنی گناہ ایسے محل کے ہیں جو خود محسوس نہیں اس لیے وہ بھی غیر محسوس ہیں وہ محل کون ہے وہ محل ہے قلب اور نفس تو معلوم ہوا کہ بعضے گناہ قلب اور نفس کے بھی ہیں اب ذرا مہربانی کر کے ان گناہوں کے نام تو بتائیے جو نفس اور قلب کے ہیں آپ تو کیا بتائیں گے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (۱) خدا تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں حدیث صحیح میں ہے لایدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال حبۃ من خردل من کبر جس کے قلب میں رائی برابر بھی کبر ہوگا وہ ہرگز جنت میں نہ جائے گا۔ یہ ہے گویا قلب کا گناہ۔ اب دیکھئے دوسرا گناہ قلب کا حق سبحانہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ (۲) یعنی اے ایمان والو اپنی خیر خیرات کو احسان جتا کر اور تکلیف پہونچا کر باطل نہ کرو مثل اس شخص کے جو لوگوں کے دکھلاوے کے واسطے خرچ کرتا ہے۔ اس آیت سے ریا کا گناہ ہونا معلوم ہوا۔ یہ آیتیں اور حدیثیں ریا اور فخر کو حرام بتاتی ہیں اور یہ دونوں گناہ متعلق ہیں نفس اور قلب کے۔ اب اس کا تو کوئی انکار ہی نہیں کر سکتا کہ ریا اور فخر بھی گناہ ہیں کیونکہ قرآن اور حدیث سے ان کا گناہ ہونا ثابت ہے۔

رسوم شادی میں تفاخر کا گناہ

اب آگے واقعات کو دیکھئے کہ نیت کیا ہوتی ہے ان تقریبات میں کیا یہ نیت نہیں ہوتی کہ شان ظاہر ہو شہرت ہو نام ہو ذرا ہماری بات لوگوں کی نظر میں بڑی رہے۔ گو سب کی نیتیں اس میں بھی یکساں نہیں ہوتیں یعنی یہ ضرور ہے کہ انیس بیس کا فرق ہوتا ہے اور اگر زیادہ فرق بھی مان لیا جائے تب بھی کیا ہوتا ہے۔ جن کی نیت میں زیادہ فساد بھی نہیں ہے وہ بھی یہ نہ سمجھیں کہ ہماری نیت بالکل پاک صاف ہے کچھ تو فساد ضرور ہوتا

(۱) سورہ لقمان: ۱۸ (۲) سورۃ البقرۃ: ۲۶۴

ہے۔اور جہاں نیت میں کچھ بھی فساد نہیں وہاں کے لیے ایک اور کلیہ موجود ہے بے فکر نہ ہوجایئے آگے دوسری دفعہ بھی قانون کی آتی ہے اس کے منتظر رہئے ہاں اگر کوئی اس کلیہ میں بھی داخل نہ ہوتا ہوتو خیر اس کو اجازت ہوگی لیکن یہ احتمال واقع ہی نہیں چنانچہ ابھی عنقریب اس کا بیان آتا ہے لیجئے اب زیادہ منتظر رکھنے کی کیا ضرورت ہے میں ابھی بیان کئے دیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ اکثر طبائع کے اندر تو فخر ونمود ہی کا مادہ موجود ہے اور اس کی نسبت جیسے کلیات موجود ہیں جس کا ذکر اوپر آچکا ویسے ہی جزئیات بھی موجود ہیں چنانچہ فرماتے ہیں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم من لبس ثوب شھرۃ البسہ اللّٰہ ثوبالذل یوم القیمۃ یعنی جو شخص شہرت کے لیے کپڑا پہنتا ہے اس کو حق تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا کپڑا پہنائیں گے ثوب شھرۃ میں اضافت لامیہ ہے تو معنی یہ ہوئے الثوب للشھرۃ یعنی شہرت کے غرض سے جو کپڑا پہنا جاوے تاکہ لوگ انگشت نما کریں کہ کیسا بڑھیا کپڑا پہنا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کپڑا اس نیت سے پہنا جاوے کہ ہمارا نام ہو ہماری شہرت ہوتو اسے قیامت میں ذلت کا لباس پہنایا جاویگا حالانکہ ہر جوڑا بہت قیمتی بھی نہیں ہوتا مگر جب اس کو شہرت کی غرض سے پہنا گیا تو وعید تو متعلق ہوگئی اور شہرت کی نیت علامات سے ظاہر ہے چنانچہ بازار سے کپڑا چھانٹ کر لاتے ہیں ایک دکھایا یہ نہیں دوسرا دکھایا یہ نہیں تیسرا دکھایا یہ نہیں۔ یہ ساری چھان پچھوڑ فقط اس لیے ہوتی ہے کہ وہ کپڑا ایسا تو ہو کہ کم از کم ہمارے خاندان میں تو کسی کے پاس نہ نکلے تاکہ ہمارا امتیاز ہو اور ہمارا اعزاز ہو تو روزمرہ کے لباس میں دس بارہ بیس روپیہ سے زیادہ خرچ بھی نہیں ہوتا پھر بھی بہت تفاخر سے اس میں وعید ہے پس جبکہ اس قدر کم خرچ کرنے پر بھی وعید متعلق ہوجاتی ہے تو جہاں ہزاروں روپیہ خرچ کردیا جاوے وہاں کا تو کیا پوچھنا ہے ایک فساد تو یہ ہے دوسرا فساد جو اس کے لیے لازم ہے وہ اسراف ہے کیونکہ اسراف کہتے ہیں معصیت میں خرچ کرنے کو۔ آپ کا خیال ہوگا کہ ہم کونسی معصیت میں خرچ کررہے ہیں ہمارے یہاں ناچ نہیں راگ (۱) نہیں۔اے صاحب

(۱) راگ

تفاخر اور ریا بھی تو معصیت ہے۔ پس تفاخر کے لیے خرچ کرنا معصیت [1] ہی میں خرچ کرنا ہے اس لیے اسراف میں یقیناً داخل ہے اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معصیت منحصر نہیں ہے ناچ رنگ اور دیگر افعال جوارح میں بلکہ بہت سے معاصی قلب کی متعلق بھی ہیں چنانچہ تفاخر اور ریا ان ہی معاصی قلب میں سے ہے لہٰذا اس میں خرچ کرنا بھی معصیت ہی میں خرچ کرنا ہے۔

اسراف کی برائی

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اور بس یہ بھی اسراف ہوا اور ایک معصیت ہی میں خرچ کرنا۔ کیا نماز روزہ میں بھی حد سے متجاوز ہونا اسراف ہے مطلق اسراف کے متعلق حق تعالیٰ سبحانہ کا ارشاد ہے ان اللّٰہ لا یحب المسرفین اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پس اسراف مطلقاً مذموم ہوگا ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ جس کے پاس روپیہ نہ ہو اس کے لیے تقریبات میں خرچ کرنا اسراف ہے ہمارے پاس تو بہت سارا روپیہ ہے ہمارے لیے کیا اسراف ہے۔ کیوں صاحب اگر روپیہ زیادہ ہو تو کیا اس کے لیے کوئی حدود نہیں ہیں سنئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور سے پوچھا گیا افی الوضوء سرف کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے قال نعم فرمایا ہاں! وضو میں بھی اسراف ہوتا ولو کنت علی ضفۃ نہر جارٍ یعنی اگرچہ نہر ہی کیوں نہ بہ رہی ہو وہاں بھی اسراف ہوتا ہے خواہ مخواہ ضرورت سے زیادہ پانی خرچ کرنا وہاں بھی منع ہے غرض اسراف کی حقیقت ہے حد سے متجاوز ہونا۔ ہر شے میں جب حد سے بڑھو گے اسراف ہو جائیگا۔ یہ دوسرا فساد ہوا اب اگر نیت کی درستی کے سبب اس فساد سے بھی بچ گئے۔

قاعدہ کلیہ

تو ایک کلیہ شریعت میں اور ہے اس کی مخالفت سے ایک تیسری دفعہ تم پر قائم

(۱) گناہ۔

ہوجاوے گی وہ کلیہ یہ ہے کہ جس امر مباح کے ارتکاب سے دوسرا کوئی شخص کسی محذور شرعی میں (۱) مبتلا ہوجاتا ہو وہ مباح (۲) نہیں رہتا اب اگر کسی نے اپنی نیت درست بھی کرلی مگر دوسرے لوگ جن کی نیت درست نہیں ان کو تو اس شخص کی فعل سے قوت وتائید ہوگی اس لیے باوجود درستی نیت کے یہ افعال اس شخص کے لیے ناجائز ہوجاویں گی اس کی مزید تفصیل آگے بھی آوے گی اس لیے میں نے عرض کیا تھا کہ اگر ایک کلیہ سے بچے تو دوسرا کلیہ موجود ہے۔ عرض خوب سمجھ لو کہ فہرست منکرات سے کوئی بچے گا نہیں۔ جو الزامات لگائے گئے ہیں ان سے نکل کر کوئی نہیں جاسکتا ایک الزام سے بچے گا تو دوسرا الزام عائد ہوجائے گا غرض ان الزامات کی وہ حالت ہے جو اس شعر کی مصداق ہے۔

ناوک نے تیری صید نچھوڑا زمانہ میں　　تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

ہر شخص پر ایک نہ ایک دفعہ قائم ہے۔ اگر کسی خاص شخص پر ان دفعات میں سے ایک دفع قائم نہ ہوسکتی ہو تو اس کے لیے دوسری دفع موجود ہے۔

تفاخر کی صورتیں

تفاخر کے متعلق ایک اور حدیث یاد آئی ہے نہی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن دعوۃ المتبارئین۔ ممانعت فرمائی ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کی دعوت قبول کرنے سے جو ایک دوسرے سے بڑھنا چاہیں اور بخشا بخشی میں کھانا کھلادیں۔ یہ بلا (۳) ہم نے قصبات میں بہت دیکھی ہے۔ اور شہروں میں اور طرح کی بلائیں ہیں۔ قصبات میں تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی نے ایک تقریب میں دو قسم کا کھانا دیا ہے تو دوسرا شخص اپنی تقریب میں تین قسم کا کھانا دیگا تیسرا چار قسم کا اس کا یہاں تک اہتمام ہے کہ گذشتہ فہرستیں کھانے کی نکال کر دیکھی جاتی ہیں کہ فلاں شخص کی تقریب میں کتنے کھانے تھے اگر چار تھے اور چار ہی ہماری تقریب میں دئے گئے تو نام ہی کیا ہوگا اور تذکرہ ہی کیا ہوگا کیونکہ کوئی نئی بات تو نہ ہوئی چار کی جگہ چھ ہونے چاہیں ورنہ

(۱) کسی ایسے کام کا ارتکاب کرے جو شرعا منع ہو (۲) جائز کام جائز نہیں رہتا (۳) مصیبت۔

پانچ تو ضرور ہوں۔ اب بھلا یہ تفاخر نہیں تو کیا ہے۔ یہ اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے وہ اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور اسکا تو ان اہل رسم کو زبان سے اقرار ہے کہ ہم نمود کے لیے کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں چنانچہ ہمارے قصبہ میں ایک پردیسی صاحب نے ہمت کر کے اپنی بہن کو ان ہی (۱) کپڑوں میں رخصت کر دیا اس کی والدہ کے پاس کل آٹھ سو روپیہ تھا اسی میں ان کو حج بھی کرنا تھا۔ بڑی بی صاحبہ کے یہ تجویز تھی کہ لڑکی کو پانچ سو کا زیور دوں گی جوڑے دوں گی پھر حج کروں گی آٹھ سو کی رقم کیا تھی چھاچھ (۲) تھی کہ پانی ڈالتے جاؤ اور بڑھتی جائے یا انہیں ضرب کا عمل آتا ہوگا کہ چار کو ضرب دیا چار سے سولہ ہوئے سولہ کو ضرب دیا چار سے چونسٹھ ہوگئے چونسٹھ کو ضرب دیا چار سے اور بڑھ گئے اسی طرح ضرب پر ضرب دیتے چلے گئے اور رقم بڑھتی چلی گئی مگر ضرب سے رقم کاغذ ہی میں بڑھتی ہے واقع میں نہیں بڑھتی۔

بنیئے کی حکایت

واقعیت کا تو یہ حال ہے کہ ایک بنیئے کا منشی دکان پر بیٹھا حساب لگا رہا تھا۔ بنیوں کے منشی منیم کہلاتے ہیں تو منیم جی حساب جوڑ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے چونسٹھ کے چار ہاتھ لگے چھ ہاتھ لگے آٹھ ہاتھ لگے بارہ۔ تھوڑی دیر میں سیکڑوں کی نوبت پہنچ گئی ایک فقیر بھی یہ سب کھڑا سن رہا تھا اور حاصلات کو جوڑ رہا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ جب حساب ختم ہو تو میں سوال کروں چنانچہ جب منیم جی حساب جوڑ چکے تو اس نے سوال کیا کہ کچھ مجھے بھی مل جائے اس نے کہا میرے پاس اس وقت کچھ نہیں ہے فقیر نے کہا اجی مجھے کیوں بہکاتے ہو میں تو برابر کھڑا سن رہا تھا ہاتھ لگے اتنے اور ہاتھ لگے اتنے سیکڑوں روپیہ تو ابھی ہاتھ لگ چکے ہیں پھر کہتے ہو میرے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں یہ کیا غضب ہے۔ اس نے کہا ارے بھائی وہ تو کاغذ ہی میں ہاتھ لگے تھے واقع میں ہاتھ خالی ہیں تو اگر کسی کے پاس ضرب کا عمل ہو بھی تو اس سے کوئی رقم واقع میں تھوڑا ہی بڑھ جاتی ہے۔

(۱) گھر میں پہنے ہوئے کپڑوں میں (۲) لسی تھی کہ پانی ڈالنے سے بڑھتی جاتی ہے۔

بڑی بی کا حال

بہر حال بہت ہی طوفان برپا کرنے کے ارادے تھے بڑی بی کے، چنانچہ ہمارے گھر میں مشورہ کرنے کے لیے رات کو آئیں۔ میدان ہوا خالی صاحبزادہ نے موقعہ کو غنیمت سمجھا داماد کو بلالائے اور لڑکی کو بہلی میں بٹھا حوالہ کردیا کہ لو بھائی لے جاؤ خود بھی ساتھ ہوگئے۔ وہ ماں ہمارے یہاں تھیں یہ خبر انہیں وہیں پہنچی۔ پھر تو صاحب وہ کوسنا اور رونا پیٹنا مچایا کہ ایک آفت برپا کردی میں نے کہا خبردار جو ہمارے گھر میں رونا پیٹنا مچایا جاوے اپنے گھر میں جاکر روؤ پیٹو۔ اس کے بعد میں نے کہا (کیا کروں کمبخت رحم آجاتا ہے میں نے کہا) خیر جو کچھ ہونا تھا وہ تو اب ہوچکا لڑکی تو اپنی گھر پہنچ چکی۔ یوں کرو کہ جوڑا اب بنادو میں بھیج دوں۔ وہ کہنے لگیں ہائے میں یوں دیتی یوں لیتی میں نے کہا خیر اب بھی کچھ نہیں گیا ہے میں بزاز کو بلادوں خوب اعلیٰ سے اعلیٰ کپڑے بناکر بھیج دو قبل اس کی واپسی کے سرخرو ہوجاؤ گی کیونکہ تم یہ کہہ سکوگی کہ جب ہمیں خبر ہوئی تب ہم نے کپڑے بھیج دیئے اس سے پہلے ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی تو یہ سنکر وہ کیا کہتی ہیں کہ واہ جی اب کیا ہوتا ہے اصلی موقعہ دینے کا تو نکل ہی گیا اب کیا نام ہوگا وہ تو اب بات ہی جاتی رہی۔ اب تو میں کچھ بھی نہیں کروں گی صاف کہتی ہے واہ جی اب تو میں کچھ بھی نہیں کروں گی۔ آپ نے دیکھ لیا یہ تو زبان سے اقرار ہے۔ اچھا ہوا بیچاری کے روپے بچ گئے ورنہ حج ہی رہ جاتا کیونکہ آٹھ سو روپیہ سے کم میں تو آجکل حج بھی نہیں ہوسکتا بالخصوص عورت کا کیونکہ بدون محرم کے عورت کو حج کے لیے جانا جائز ہی کہاں ہے اور اب تو ایک شخص کے لیے پانچ سو روپیہ صرف حج ہی حج کو چاہیں یعنی بلا حاضری مدینہ طیبہ کے اور اگر مدینہ طیبہ بھی جانا ہو تو تین سو روپیہ اور چاہیں۔ غرض آٹھ سو سے کم میں تو فقط بڑی بی کا بھی حج نہیں ہوسکتا تھا۔ خیر اس کا بھلا ہوگیا رقم بچ گئی۔ تو غرض جو کچھ تقریبات میں کیا جارہا ہے سب ناموری کے لیے کیا جارہا ہے۔ تو اب بتلائے یہ کیسے جائز

ہوسکتا ہے۔ اور یہ سوال کہاں تک صحیح ہے کہ ان چیزوں میں ناجائز کی کیا بات ہے یہ بالکل غلط خیال ہے۔ اگر گناہ کی حقیقت سے واقف ہوتے تو ہرگز ایسا نہ سمجھتے۔

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است (۱)

گناہ کی حقیقت

گناہ فقط یہی نہیں ہے کہ ڈومنیاں (۲) نچائی جائیں گناہ فقط ڈومنی ہی میں منحصر نہیں یہی تو غلطی ہے آپ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ گناہ فقط دو تین ہی ہیں خصوص دل کے گناہ کو تو گناہ ہی نہیں سمجھتے حالانکہ یہ بات نہیں گناہ بہت ہیں اور ان میں دل کے بھی بہت سے ہیں، حضرت جنید بغدادی کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ نماز پڑھنے مسجد میں آئے دیکھا کہ ایک سائل سوال کررہا ہے دیکھنے میں بالکل تندرست خوب ہٹا کٹا موٹا تازہ بظاہر نہ کوئی معذوری نہ مجبوری۔ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسے شخص کو تو سوال کرنا بالکل حرام ہے اور یہ ناجائز کام کررہا ہے حالانکہ ممکن تھا کہ اس کو کوئی خاص عذر ہو جس کی وجہ سے وہ اکتساب (۳) کے قابل نہ ہو یا اکتساب کے قابل ہو لیکن اکتساب سے اس کی ضرورت پوری نہ ہوسکتی ہو مثلاً فرض کیجئے کسی ظالم نے اس پر ایک ہزار کی ڈگری ناحق کرادی ہے اور وہ مظلوم ہے اس صورت میں گو وہ ہاتھ پاؤں سے درست ہے مگر ہزار روپیہ ایک دم وہ کہاں سے دے بلکہ اس صورت میں دو سو چار سو روپیہ اس کے پاس جمع بھی ہوں تب بھی وہ باقی روپیہ کا اکتساب ایک دو دن میں تو کر نہیں سکتا لہٰذا ایسے شخص کو اجازت ہے شریعت سے کہ بھیک مانگ کر ڈگری کا روپیہ ادا کردے اور اپنی جان چھڑالے۔ مگر ان کو اس کی ظاہری حالت سے شبہ پڑا اور اس کو دل میں بُرا کہا۔ رات کو جو سوئے تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک مردہ ہے اور اس کو کاٹ کاٹ کر کھانے کے لیے کوئی ان سے کہتا ہے، یہ انکار کرتے ہیں تو ان کو جواب ملتا ہے کہ دن میں تو اس فقیر کی غیبت کرکے مردہ کا گوشت کھایا اور اب انکار ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اس کو

(۱) ''دلبر کی اداؤں کو تم نہیں جانتے یہی غلطی ہے'' (۲) ناچ گانے (۳) کام کرکے کمانے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

کچھ کہا نہیں جواب ملا کیا غیبت زبان ہی سے کہنے سے ہوتی ہے دل سے بھی تو ہوتی ہے حق تعالیٰ تو قلب کو دیکھتے ہیں۔ بلکہ اصل غیبت دل ہی سے ہے۔

ان الکلام لفی الفواد وانما جعل اللسان علی الفواد دلیلاً

کلام تو دراصل قلب ہی میں ہوتا ہے زباں تو محض اس کی مترجم ہے۔ جو کچھ دل میں ہوتا ہے وہ صرف اس کو ظاہر کر دیتی ہے باقی بات تو وہی ہوتی ہے جو دل میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اٹھے اور پہنچے اسی فقیر کے پاس۔ دور سے دیکھ کر اس نے فوراً یہ آیت پڑھی وَهُوَ ٱلَّذِى يَقْبَلُ ٱلتَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِۦ وَيَعْفُوا۟ عَنِ ٱلسَّيِّـَٔاتِ [1] جس کا مطلب یہ تھا کہ گھبراؤ نہیں توبہ کرنے سے خدا سب گناہ معاف کر دیتا ہے چونکہ اب توبہ کر چکے ہو لہٰذا سب معاف۔

دل کے گناہ

تو دیکھئے غیبت دل سے بھی ہوتی ہے اسی طرح حدیثوں میں وعید آئی ہے ریا پر اور وعید آئی ہے حسد پر، اور وعید آئی ہے کبر پر حب دنیا پر اب بتلائے یہ سب گناہ قلب کے متعلق ہیں یا اعضاء ظاہری کے۔ ظاہر ہے کہ قلب [2] ہی کے متعلق ہیں۔ اور یہی گناہ قلب کے متعلق کیا ہوتے سارے ہی گناہوں کا تعلق اول قلب ہی سے ہوتا ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله واذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب۔ یاد رکھو کہ جسم کے اندر ایک لوتھڑا ہے گوشت کا اگر وہ سنورا ہوا ہوتا ہے تو سارا بدن سنور جاتا ہے اور وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے یاد رکھو کہ وہ قلب ہے واقعی قلب ہی کے اوپر دارومدار ہے صلاح وفساد کا۔ صوفی تو اس کے قائل ہیں سارے فقہا بھی اس کے قائل ہیں دیکھئے آخر بدون نیت کے نماز ہی صحیح نہیں ہوتی اور نیت ہی سے ایک نماز سنت ہوتی ہے اور دوسری فرض مثلاً چار ہی رکعت سنت میں ہیں اور چار ہی فرض میں تو اگر سنت

(۱) سورۃ الشوریٰ: ۲۵ (۲) دل۔

کی نیت کرلی سنت ہوگئی فرض کی نیت کرلی فرض ہو گئے برخلاف اس کے یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ نیت تو کی جائے سنت کی اور ہوجائے فرض اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ اگر محض قلب میں نیت کرکے نماز پڑھ لے تو نماز ہوجائے گی زبان سے چاہے کچھ بھی نہ کہے۔ لیکن چونکہ ہمارا قلب پریشان رہتا ہے اور ہم کو قلب سے نیت کرنا دشوار ہے اس لیے فقہاء نے احتیاطاً زبان سے بھی نیت کے الفاظ کہہ لینا تجویز کردیا ہے۔ ورنہ اگر زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہے مگر دل میں سمجھے کہ میں ظہر کی نماز ادا کرتا ہوں تو نیت متحقق ہوجائیگی۔ اور نیت وہ چیز ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں انما الاعمال بالنیات سارے اعمال کا دارو مدار نیت ہی پر ہے۔ اب بتلائیے فقہاء کے نزدیک بھی قلب ہی کے اوپر سارا دارومدار ہوا یا نہیں۔ نیت وہ چیز ہے کہ اگر ظہر کے وقت میں نیت فرض کی کرلی تب تو فرض ادا ہوں گے ورنہ اگر کسی نے ہزار نفلیں بھی ظہر کے وقت میں پڑھ ڈالیں مگر اس کے ساتھ نیت فرض کی نہ کی تو اس کے ذمہ فرض موجود اور عذاب تیار۔ اور حضرت قلب تو وہ چیز ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ جل وعلا شانہٗ کے ساتھ معاملہ کا سارا مدار اسی پر ہے۔ تو اب یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ قلب کے متعلق کوئی عمل نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ گناہ صرف اعضاء ظاہری ہی کے متعلق نہیں ہیں بلکہ قلب کے متعلق بھی ہیں جیسا کہ بالتفصیل ثابت کردیا گیا ہے۔ لیجئے اس جماعت کا تو فیصلہ ہوا۔ یہ بیان ذرا طویل ہوگیا لیکن یہ ضرورت تھی اس بیان کی کہ بعض لوگوں کی زبان پر یہ لفظ آتا ہے کہ شریعت کو ہماری شادی اور غمی سے کیا تعلق۔ اسی لیے میں نے یہ آیت پڑھی ہے أَيَحْسَبُ الْإِنسَانُ أَن يُتْرَكَ سُدًى (۱) انکار فرماتے ہیں اور نکیر فرماتے ہیں اس خیال پر کہ انسان کو مہمل چھوڑا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر ہر چیز کو شریعت سے پوچھو۔ کہیں وہ جواز کا فتویٰ دے گی کہیں عدم جواز کا۔

ترک رسوم کا اہتمام

بہت لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ پھر کیا کیا رسمیں کریں اور کیا کیا نہ کریں۔

(۱) سورۃ القیامۃ: ۳۶

میں کہتا ہوں کہ بجز ایجاب وقبول کے سب فضول ہے کچھ نہ کرو۔ اب چاہے مجھے کوئی دیہاتی کہے یا گنوار کہے۔ جو چاہے کہے۔ اور دیہاتی تو ہم ہیں ہی۔ ہمارے جواب تو دیہاتی ہی رہیں گے۔ چاہے کوئی برا مانے چاہے بھلا مانے بس سوسنار کی اور ایک لوہار کی۔ اس جواب پر بعض نے مجھے رائے دی کہ ایسی سختی مناسب نہیں۔ ایک دم سے ساری رسمیں نہ چھڑاؤ آہستہ آہستہ چھڑانی چاہئیں۔ رفتہ رفتہ ہی اصلاح ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مجھے کیوں مقید کرتے ہو۔ مجھ سے یہ کیوں کہلواتے ہو۔ اگر ایک دم سے ساری رسمیں چھوڑنا تمہیں مشکل ہے تو تمہیں اختیار ہے تم خود رفتہ رفتہ چھوڑو باقی مجھے وہی کہنے دو جو میں کہہ رہا ہوں۔ میں پوچھتا ہوں آخر تمہارا اس میں ضرر ہی کیا۔ اور اگر میں ایک ایک کرکے منع کروں تو اس میں یہ خرابی ہے کہ فرض کرو آج دس چیزیں ہیں قابل منع کرنے کی اور ان سے صرف آٹھ کو منع کیا۔ اب وہ سمجھیں گے کہ ہم مخاطب صرف انہیں آٹھ کے چھوڑنے کے ہیں۔ خیر بیچاروں نے نفس کو مجبور کرکے ان آٹھ کو چھوڑا۔ کل کو دو کی اور ممانعت کی گئی۔ تو اب حجت ہوگی کہ لو آج یہ دو اور بڑھا دیں۔ کل تو اجازت دیدی تھی۔ آج منع کرتے ہیں۔ ان کا کیا بھروسہ ہے خدا جانے کہاں تک یہ سلسلہ جاری رہے۔ یہ خرابی ہے آہستہ آہستہ منع کرنے میں۔ تو مجھے کیوں مقید کرتے ہو۔ میں تو دس کی دس ہی کو منع کروں گا تمہیں اگر ہمت نہ ہو تم ایک ایک دو دو کرکے چھوڑو مجھے خواہ مخواہ کیوں مقید کرتے ہو۔ تو صاحب میں تو یہی کہوں گا کہ صرف ایجاب وقبول چاہیے باقی کھلانا پلانا دینا دلانا مجمع کرنا سب واہیات سب ہی میں خرابی ہے کسی میں تھوڑی کسی میں بہت اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو اکثر تو یہی ہے کہ کھلانا پلانا مجمع کرنا دور ودراز سے لوگوں کو بلانا جوڑے دینا لینا یہ سب صرف نام ونمود کے لیے ہوتا ہے۔ نہ کسی کے ساتھ ہمدردی مقصود ہوتی ہے نہ کچھ۔ ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے۔ اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم نے تو خوب غور کرکے دیکھ لیا ہماری نیت تو بالکل ٹھیک ہے ہم کو تو نام ونمود ہرگز مقصود نہیں ہمیں تو اس کا وسوسہ بھی نہیں تو میں اس کی تکذیب نہیں

کرتا واقعی بعضے خوش نیت بھی ہوتے ہیں۔ میں خواہ مخواہ ان کو کیوں الزام دوں۔ اور جو مصالح وہ بیان کرتے ہیں وہ ایک حد تک ٹھیک بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اجی روز روز تو عزیزوں سے کہاں ملنا ہوتا ہے تقریبات میں سب سے ملاقات ہوجاتی ہے۔ غریبوں کو کھانا پہنچ جاتا ہے ہاں یہ ضرور نیک نیتی ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ اول تو ایسے خالص نیک نیت ہیں کتنے، پھر جو ہیں بھی انہوں نے بس ایک مصلحت کو تو دیکھا اور ہزاروں مفسدوں پر نظر نہ کی حفظت شیئًا و غابت عنک اشیاء ایک چیز پر تو نظر رہی اور دوسری بہت سی چیزیں نظر سے غائب کردیں سو حضرت سنئے اس کے واسطے بھی شریعت نے ضوابط و قواعد مقرر کردیئے ہیں شریعت کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ نہایت منضبط اور مکمل قانون ہے۔ اکثر حضرات یہ مصلحتیں بیان کر کر کے مجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ میں ان تقریبات میں کچھ گنجائش نکال دوں۔ صاحب! اگر شریعت میرے اختیار میں ہوتب تو مجھ سے درخواست رعایت کی کی بھی جائے لیکن شریعت میرے گھر کی چیز تو نہیں اگر میں خواہ مخواہ دخل در معقولات کر کے اپنی طرف سے رعایت کر بھی دوں تو اس سے ہوتا کیا ہے جو امر ناجائز ہے وہ میرے کہنے سے جائز تھوڑا ہی ہوجائیگا بلکہ اُلٹا مجھ سے سوال ہوگا کہ تم کون تھے جائز کرنے والے تو میں کیوں مصیبت میں پڑوں۔

حدود و قیود

اب سنئے کہ شریعت نے ایسے موقعہ کے لیے کیا حدود اور قواعد مقرر کئے ہیں سو منجملہ ان کے ایک قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی چیز میں مصلحت اور مفسدہ دونوں جمع ہوں تو اعتبار مفسدہ کا ہوتا ہے یعنی اگر کسی چیز میں مصلحت بھی ہے اور مفسدہ بھی ہے تو اس حالت میں مصلحت کو نہ دیکھا جائیگا بلکہ مفسدہ کا اعتبار کیا جاویگا۔ پھر اس کی بھی ایک حد ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصلحت دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو وہ جس کا حاصل کرنا واجب ہو وہاں تو یہ حکم ہے کہ اس مصلحت کو حاصل کرو اور مفسدہ کے روکنے کی کوشش کرو مثلاً جماعت میں آتے ہیں نماز کے لیے۔ لیکن فرض کرو امام ایسا ہے کہ قرآن غلط پڑھتا ہے یا اور کوئی

ایسا ہی نقص ہے جس کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے تو ہم کوشش تو یہ کریں گے کہ وہ شخص امامت سے معزول کر دیا جائے لیکن جب تک ہم اس کوشش میں کامیاب نہ ہوں گے اس وقت تک اسی کے پیچھے نماز پڑھتے رہیں گے یہ نہ کریں گے کہ جماعت چھوڑ دیں۔

اہتمام جماعت

کیونکہ جماعت یا سنت موکدہ ہے یا واجب اس میں علماء کا اختلاف ہے ہمارے علماء حنفیہ میں محققین کی یہی تحقیق ہے کہ واجب ہے جماعت۔ کیونکہ اس کے ترک پر جو وعیدیں آئی ہیں وہ سنت مؤکدہ سے بڑھی ہوئی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں میرا جی یوں چاہتا ہے کہ لکڑیاں جمع کراؤں پھر اذان کہلاؤں اور جماعت کراؤں پھر دیکھوں کون کون جماعت میں نہیں آیا۔ جو جو نہیں آیا ان کے گھر جا کر پھونک دوں (۱) ایسی وعید سنت مؤکدہ پر نہیں ہوتی ہے اسی واسطے ہمارے بہت علما نے جماعت کو واجب کہا ہے۔ اس پر شبہ کیا ہے بعض ذہین لوگوں نے کہ یہ وعید منافقوں کے واسطے تھی نہ کہ اہلِ ایمان کے واسطے کیونکہ منافق ہی جماعت میں حاضر نہیں ہوتے تھے تو یہ وعید گھر پھونک دینے کی دراصل ان کے نفاق پر تھی نہ کہ ترک جماعت پر میں کہتا ہوں فہم سے کام لینا چاہئے اول تو اس حدیث میں کوئی قرینہ اس تخصیص کا نہیں۔

کفار ایمان لانے کے مکلف ہیں

دوسرے ایک اور بھی قاعدہ ہے کہ کفار صرف ایمان کے مکلف ہیں فروع کے مکلف نہیں اور اہلِ ایمان مکلف فروع کے بھی ہیں مثلاً کفار جب تک کافر ہیں انہیں یہ حکم نہیں دیا جاتا کہ نماز پڑھو کیونکہ نماز بدون ایمان کے صحیح نہیں ہوسکتی تو اگر ان کو حکم دیا بھی جائے کہ نماز پڑھو تو اس حکم سے فائدہ کیا ہوگا کیونکہ نماز صحیح تو ہونے کی نہیں پھر یہ ایک فضول بات کا حکم ہوا۔ انہیں حکم یہ دیا جائیگا کہ ایمان لاؤ بس ایمان لانا تھا کہ اب تمام خطاب ان کی طرف متوجہ ہو گئے اور سارے فروع کے وہ مکلف بن گئے اب ہر ہر

(۱) چلا دوں۔

حکم ان سے متعلق ہوگیا اس کے پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی باغی ہو اس کو یہ خطاب نہیں کیا جاویگا کہ اگر اتنے دن تک کوئی شخص زمین پر قابض رہے تو وہ موروثی ہوجائیگا سارے احکام کی اس کو تبلیغ نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو سب سے پہلے حکم یہ ہوگا کہ بغاوت چھوڑ و اس سے پہلے دفعات فوجداری اور دیوانی کے متعلق اس سے کچھ تعرض نہیں کیا جائیگا جب اس نے بغاوت چھوڑ دی تو اب اس پر سارے دفعات عائد ہوگئے فوجداری کے دفعات بھی، دیوانی کے دفعات بھی، جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو اب دوسرا قاعدہ سنئے کہ منافق تھے کافر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے بتلا دیا گیا تھا کہ فلاں فلاں منافق ہیں تو ان کا کافر ہونا حضور ﷺ کو معلوم تھا اور جب وہ کافر تھے تو ان کی طرف حسب قاعدہ مذکورہ جماعت کا امر متوجہ ہی نہ تھا لہٰذا وہ ترکِ جماعت پر کسی سزا کے مستحق ہی نہ تھے پھر حضور ان کا گھر کیوں جلاتے تو وہ شبہ جاتا رہا اور ثابت ہوگیا کہ یہ وعید ترک جماعت ہی پر ہے اور ایسی سخت وعید سنت موکدہ کے ترک پر ہوا نہیں کرتی اس واسطے محققین حنفیہ قائل ہوئے ہیں جماعت کے واجب ہونے کے۔

مصلحت اور مفسدہ کے اجتماع کا حکم

بہرحال جماعت خواہ واجب ہو خواہ سنت موکدہ ہے ضروری چیز تو مسجد میں آنا جماعت کے لیے ایک ایسی مصلحت ہے جو ضروری ہے مگر اس کے ساتھ یہ مفسدہ مل گیا ہے کہ امام ایسا ہے جس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے۔ اب یہاں مصلحت بھی ہے اور مفسدہ بھی ہے مگر مصلحت ہے واجب التحصیل تو اس صورت میں حکم یہ ہوگا کہ جماعت کو نہ چھوڑ و اس مفسدہ کا علاج کرو یعنی امام کو الگ کرو مگر الگ کرو خوش تدبیری سے فتنہ فساد کی اجازت نہیں۔ ایسی باتوں کے لیے لڑنا بھڑنا نہ چاہئے کیونکہ لڑنے بھڑنے کے مفاسد اس کراہت کے مفسدہ سے بھی زیادہ ہیں۔ اور اگر اس امام کے الگ کرنے پر قدرت نہ ہوگی تو اس پر عمل کریں گے کہ صلوا خلف کل بر و فاجر یعنی ہر شخص کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو خواہ وہ نیکوکار ہو یا بدکار۔ یہ حکم تو مصلحت واجب التحصیل کا تھا اور ایک مصلحت وہ

ہے کہ وجوب کے درجہ میں نہیں ہے جیسے تقریبات میں بہت سے بھائیوں کا آپس میں مل لینا یا غریبوں کو وقت خاص پر کھانا مل جانا یہ مصلحت شرعاً واجب نہیں ہے اور اس کے ساتھ مفاسد بہت سے موجود ہیں، جیسے تفاخر اور ریا اور کیا اور کیا۔ جہاں ایسی مصلحت ہو جو واجب نہ ہو کسی مفسدہ کے ساتھ جمع ہوجائیگی وہاں اس مصلحت ہی کو چھوڑ دیں گے بلکہ ایسی ایسی ہزار مصلحتیں بھی کسی ایک مفسدہ کے ساتھ جمع ہوجائیں گی ان کو بھی ترک کردیا جائیگا تو ہمارے قبضہ میں نہیں ہے قانون کہ تمہارے مصالح کی رعایت سے اس میں وسعت کردی جائے۔

قرآن سے ثبوت

یہ قانون خدا کا بنایا ہوا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اس قانون کی تصریح موجود ہے ارشاد ہے يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَٰفِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا (۱) یعنی پوچھتے ہیں آپ سے کہ خمر اور جوئے کا کیا حکم ہے کہہ دیجئے کہ ان میں بڑا گناہ ہے اور ان میں کچھ نفع بھی ہیں دیکھئے خود آیت میں اس بات کی تصریح ہے کہ جوئے اور شراب میں مصالح موجود ہیں لیکن چونکہ گناہ بھی موجود ہے اس واسطے حکم ان کی حرمت ہی کا ہوا تو یہ قاعدہ قرآن مجید سے ثابت ہوگیا کہ جہاں مفسدہ اور مصلحت غیر مطلوب فی الشرع جمع ہو وہاں ترجیح مفسدہ ہی کو ہوگی۔ لیجئے اب تو کوئی گنجائش ہی نہیں رہی اس قانون کے انکار کی۔ لیجئے میرا مدعا آیت سے بھی ثابت ہوگیا۔ گو اس ثبوت کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ ہم مقلدوں کو حق کیا ہے نصوص سے استدلال کرنے کا ہم تو تابع ہیں اپنے ائمہ کے۔ جب ان کا مذہب مدون ہے تو ہم کو اسی کو لے لینا کافی ہے یہ کام تو علماء مجتہدین کا ہے کہ نصوص (۲) سے استدلال کریں اور قانون مرتب کریں ہم جیسوں کو تو یہی کافی ہے کہ جس

---

(۱) سورہ البقرۃ:۲۱۹ (۲) قرآن وحدیث سے استدلال کریں۔

امام سے عقیدت ہو اس کے قول پر عمل کر لیں مثلاً ہم اتباع کرتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کا تو ان کا قول ہمارے لیے کافی ہے ہم اسی پر عمل کریں گے رہا نصوص سے استدلال سو یہ ان کا کام ہے۔ پس جب ہم مذہب حنفی میں یہ اصل لکھا ہوا مدون پاتے ہیں کہ اگر کسی کام میں مفسدہ اور مصلحت دونوں جمع ہوں تو ترجیح مفسدہ(۱) کو ہوگی بشرطیکہ مصلحت واجب التحصیل نہ ہو بس اس بنا پر ہم ان رسوم کو منع ہی کریں گے۔ اب اس کا بھی جواب ہو گیا کہ اسمیں مصلحتیں ہیں۔ کیونکہ جہاں مصلحتیں ہیں وہاں مفسدے بھی تو موجود ہیں۔

اشکال

اب ایک بات رہ گئی یعنی بہت لوگ ایسے بھی تو ہیں جن کی نیت میں نہ تفاخر ہے نہ کبر نہ شہرت ہے نہ کوئی اور خرابی بالکل پاک صاف ہیں۔ وہ البتہ کہہ سکتے ہیں کہ صاحب ہمارے فعل میں تو مصالح ہی مصالح ہیں مفاسد ہیں ہی نہیں سب مصلحت ہی مصلحت ہے مفسدہ کچھ بھی نہیں اللہ گواہ ہے ہماری نیت نہ تفاخر کی ہے نہ ریا کی ہماری نیت میں کوئی خرابی نہیں ہماری نیت بالکل پاک صاف ہے سو اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو ہم تکذیب نہیں کرتے ایک مسلمان کی۔ ممکن ہے کسی کی نیت ایسی ہی پاک صاف ہو۔ اور اسراف کا جو مفسدہ تھا اس کا وہ یہ جواب دے سکتے ہیں کہ ہمیں ماشاء اللہ خدا نے اتنا دیا ہے کہ ایسے ایسے خرچوں سے ہمیں رائی برابر بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ اول تو اس کا تسلیم ہی کرنا مشکل ہے کہ نقصان نہیں پہنچتا میں اگر آجاؤں انکار پر تو کہہ سکتا ہوں کہ قرض ہو ہی جاتا ہے اور میں ثابت کر سکتا ہوں واقعات سے کہ بڑے بڑے لوگ بھی مقروض ہو جاتے ہیں ایسے موقعوں پر۔ کیونکہ ہر شخص اپنی حیثیت سے بڑھ کر ہی ان تقریبات میں خرچ کیا کرتا ہے یوں چاہے گراں نہ سمجھیں اس قرض کو۔ مگر خیر مجھے قیل وقال کرنا(۲) منظور نہیں میں اس کو بھی مانتا ہوں۔ کہ اسراف بھی نہیں ہوتا۔ بلاضرورت میں اس بحث میں کیوں پڑوں مگر ہاں جو بات کہنے کی ہے وہ تو ضروری کہی جائیگی کیا میں حقائق کو بھی ظاہر نہ کروں۔

(۱) جس کام میں مصلحت اور مفسدہ دونوں پائے جائیں تو ترجیح مفسدہ کو ہوگی (۲) فضول بحث مباحثہ۔

جواب

سو سنئیے میں نے یہ مانا کہ آپ اپنی نیک نیتی کی بناء پر اس کلیہ سے ایک درجہ میں بچ گئے کہ جہاں مفسدہ اور مصلحت دونوں جمع ہوجائیں وہاں ترجیح مفسدہ کو ہوتی ہے۔ خیر اس کلیہ سے تو آپ جیسے تیسے بچ گئے لیکن حضرت ابھی پیچھا نہیں چھوٹا ابھی ایک اور کلیہ بھی موجود ہے وہی کلیہ جس کا وعدہ میں اوپر کرچکا ہوں وہ بھی ہماری شریعت ہی کے اصول میں سے ہے اور قرآن وحدیث سے تائید کیا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے جس عمل مباح سے کسی دوسرے مسلمان کو ضرر دین کا پہنچے ہمارے لیے بھی وہ عمل مباح نہ رہے گا حتی کہ کسی فعل مندوب ومستحب سے بھی اگر کسی مسلمان کے اعتقاد یا عمل میں کوئی خرابی پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہو تو اس مستحب کو بھی ترک کردیا جائیگا۔

جمعہ کی فجر میں الم تنزیل پر مداومت کی ممانعت کی وجہ

یہی راز ہے امام ابوحنیفہؒ کے بعض احادیث پر عمل کو ترک کرانے کا مثلاً حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور ﷺ کی عادت شریف جمعہ کے دن صبح کی نماز میں الم تنزیل اور سورۃ دہر پڑھنے کی اکثر حضور کا یہی معمول تھا۔ چنانچہ شافعیہ اب بھی پڑھتے ہیں اب تک ان کا یہی معمول ہے اور امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ اس کا التزام مناسب نہیں۔ دیکھئے حدیث تو وارد مگر امام صاحب اس کو منع کرتے ہیں۔ اصل میں امام صاحب کے اس قول کا حاصل یہ ہے کہ یہ عمل واجب تو ہے نہیں محض مستحب ہے۔ اور اس مستحب سے دوسروں کے واسطے ایک خرابی پیدا ہوجاتی ہے اب یہاں اپنا تجربہ اور اپنا اپنا مشاہدہ ہے نہ ایک کو رائے رد کرنا چاہئے نہ تنقیص ممکن ہے امام ابوحنیفہ کو تجربہ ہوا ہو اور اس خرابی کا ان کو مشاہدہ ہوا ہو اوروں کو نہ ہو اس میں ان سے منازعت (۱) نہیں ہوسکتی غرض ان کو مشاہدہ ہوا عوام الناس کی تکلیف کیفیت کا کہ بعض مستحب افعال بھی ان لوگوں

(۱) جھگڑا۔

کو شبہ میں ڈال دیتے ہیں چنانچہ اس معمول کے متعلق بھی امام صاحب نے سمجھا کہ جب کسی جمعہ میں بھی ناغہ نہ ہو اور کبھی اس کے خلاف کرنے نہ دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ یہ عمل لازم اور واجب ہے یہ تو اعتقادی خرابی ہوئی دوسرے سے ممکن ہے کہ ایک اور بھی خرابی کا مشاہدہ ہوا ہو۔ اور وہ عملی خرابی ہے۔

عملی خرابی کا مشاہدہ

وہ یہ کہ بعض دفعہ جو نماز میں مجمع ہو جاتا ہے بڑا تو دور والوں کو سنائی نہیں دیتا کہ امام کونسی سورت پڑھ رہا ہے تو اب یہ خبر تو ہے نہیں کہ امام نے سجدہ کی آیت پڑھی ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے اس نے تو کیا سجدہ یہ گئے رکوع میں۔ وہ اُٹھا سجدہ سے اور کہا اللہ اکبر انہوں نے کہا سمع اللہ لمن حمدہ۔ بڑی گڑ بڑ ہو جاتی ہے چنانچہ مکہ معظّمہ میں ایک دفعہ یہی گڑ بڑ ہوئی۔ وہاں یہ دستور ہے کہ سب اہل مذاہب جمع ہو کر نماز پڑھتے ہیں کسی مصلّے پر نماز ہوتی ہو شافعی پر یا حنفی پر یا کسی پر دوسرے اماموں کے مقلد بھی بلا تامل شریک ہو جاتے ہیں یہاں کا سا قصہ نہیں ہے کہ کوئی شافعی امام ہو جاوے تو اس کے پیچھے حنفی نماز نہ پڑھیں یہ واہیات بات ہے وہاں سب پڑھ لیتے ہیں ایک دوسرے کے پیچھے۔ وہاں کوئی تخصیص نہیں کرتا۔ چنانچہ جمعہ کے دن ایک دفعہ یہ ہوا کہ صبح کی نماز شافعی مصلّے پر ہو رہی تھی حج کا زمانہ اور مجمع تھا بہت، امام ٹھہرے شافعی انہوں نے حسب معمول الم تنزیل پڑھی۔ اب انہوں نے سجدہ کی آیت پر پہنچ کر سجدۂ تلاوت کیا اور اللہ اکبر کہہ کر ایک ساتھ سجدہ میں گئے۔ اب جنہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ سجدۂ تلاوت کیا گیا ہے وہ سمجھے کہ امام نے رکوع کیا وہ گئے رکوع میں امام اُٹھے سجدہ سے کہا اللہ اکبر انہوں نے کہا سمع اللہ لمن حمدہ اب امام تو قراءت میں ہے اور وہ منتظر ہیں کہ سجدہ میں جاوے اب امام سجدہ ہی میں نہیں جاتا جب بہت دیر ہو گئی تو اب کوئی تو نیت توڑ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا کہ آخر معاملہ کیا ہے کوئی سجدہ میں چلا گیا اس خیال سے کہ شاید تکبیر کی آواز نہ سنائی دی ہو سجدہ سے اُٹھ کر جو دیکھا تو لوگ کھڑے ہیں خیر یہ بھی کھڑے ہو گئے

اس کے بعد امام نے پھر دو رکعت پڑھیں تو ان کے نزدیک گویا امام نے تین رکعتیں پڑھیں۔ غرض اس قدر گڑ بڑ ہوئی کہ کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں ہے کسی نے نیت توڑ دی کوئی سمجھا امام نے تین رکعتیں پڑھیں۔ چنانچہ ایک شخص بخارا کے بھی اس جماعت میں تھے وہ جب لوٹ کر گھر پہنچے تو کہنے لگے ارے میاں شافعیوں نے تو قرآن حدیث کے بالکل خلاف عمل اختیار کرلیا ہے مغرب کی طرح صبح کی بھی تین رکعت پڑھتے ہیں تو آپ نے دیکھا کہاں تک نوبت پہنچی بس امام صاحب نے ایسے ہی واقعات دیکھ کر فرمایا کہ جو عمل واجب بھی نہیں اور عوام میں اس کے کرنے سے پڑتی ہے گڑ بڑ تو کیا ضرورت ہے کہ اس کو کیا ہی جائے۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہو رہی ہے (نماز کی امامت میں غیر معروف قراءت نہ پڑھے)۔

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی:
ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاہور

حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی (زیدہ مجدہٗ) مہتمم جامعہ ہٰذا کی مختلف دینی وسماجی تقریبات میں شرکت۔

- 3 جنوری: قاری یاسین صاحب کے مدرسہ چوبرجی لاہور میں تکمیل حفظ القرآن الکریم کرنے والے طلباء کی دستارِ فضیلت فرمائی، تلاوت قرآن پاک وقیمتی نصائح ارشاد فرمائے۔
- 16 جنوری دوپہر: جامعہ مفتوحہ للمسلمات (بنات) اعوان ٹاؤن لاہور کی شعبہ تجوید میں آن لائن 30 روزہ کورس مکمل کرنے والی طالبات سے علم تجوید کی اہمیت پر تفصیلی خطاب فرمایا اور کامیاب 23 طالبات کو سندِ اجازت سے نوازا۔
- 16 جنوری بعد مغرب: چونیاں جامع مسجد محمد خان میں قاری محمد فیصل (فاضل جامعہ ہٰذا) کے عزیز کی تقریب آمین میں تلاوت و بیان فرمایا۔
- 20 جنوری بعد ظہر: مدرسہ قاسم العلوم (جدید) تقریب تکمیل قرآن پاک وتقسیم اسناد میں تلاوت اور خصوصی خطاب فرما کر دستار بندی فرمائی۔
- 20 جنوری بعد عشاء: مرکزی جامع مسجد منصورہ لاہور اتحاد العلماء لاہور کی دعوت پر کنونشن میں تلاوت فرمائی۔

❁ شیخ الحدیث عارف باللہ مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کا نیا وعظ ''ہمارے اکابر'' چھپ کر آچکا ہے اہلِ ذوق ادارہ اشرف التحقیق جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ سے طلب کر سکتے ہیں۔

❁ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں سالانہ امتحانات ان شاء اللہ تعالیٰ 14 تا 23 فروری 2022ء منعقد ہوں گے۔

❁ جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ میں تکمیل بخاری کی تقریب 12 فروری 2022ء بروز ہفتہ صبح 9 بجے منعقد ہوگی۔

❁ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا سالانہ امتحانات کا آغاز 26 فروری 2022ء سے ہو رہا ہے۔

ضروری وضاحت:

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کا اکاؤنٹ نمبر

0110-557-7 یو۔بی۔ایل لٹن روڈ برانچ لاہور (برانچ کوڈ 1007)

پرانی انارکلی بوجوہ ختم کر دیا گیا۔

لہٰذا احباب سے درخواست ہے کہ آئندہ رقوم پنجاب بینک کریم بلاک اکاؤنٹ نمبر 6010049533100010

دی بینک آف پنجاب کریم بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور برانچ کوڈ (0060)